ماہنامہ
براہِ راست
لاہور
یہ سال ہے، سالِ آزادی
جلد 11 شمارہ 01
جنوری 2025ء

برطانیہ
فلسطینی شہریوں کی نسلی صفائی میں شامل

ہوسِ ملک گیری مغربی کنارے پر

امریکی سینیٹ میں بل پیش
مغربی کنارے کا نام تبدیل کر کے ''جودیہ اور سماریہ'' لکھا اور پکارا جائے

بیت لاھیاء: فلسطینیوں کا قبرستان
شمالی غزہ: بے خبر مسلمانوں کا ماتم کدہ بھی نہ بن سکا

یک قالب، دو جان: فلسطین اور پاکستان
الحمراء لاہور میں داستانِ فلسطین، عزم و یقین کا عہد و پیمان

ڈاگ کیمرہ
فلسطینیوں پر حملوں کا مہلک ہتھیار

علمائے دین فلسطین اور مسجد اقصیٰ کا مقدمہ لڑیں

اسلامی تحریک مزاحمت۔حماس کے وفد نے ،جس کی قیادت حماس کے ترجمان اور مغربی ایشیا کے سربراہ ڈاکٹر خالد قدومی کررہے تھے،15 دسمبر 2024ء بروز اتوار کراچی میں دارالعلوم کراچی کے صدر اور وفاق المدارس العربیہ کے سربراہ، شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی سے ان کے دفتر میں ملاقات کی۔ملاقات میں غزہ پر جاری جنگ کی تازہ ترین صورتحال سے آگاہ کیا گیا اور دونوں جانب سے خطے میں حالیہ تبدیلیوں اور ان کے مسئلہ فلسطین پر اثرات پر تبادلہ خیال کیا گیا۔

ڈاکٹر خالد قدومی نے علماء کے اہم کردار کو اجاگر کرتے ہوئے کہا کہ وہ امت مسلمہ کے مسائل، خاص طور پر فلسطینیوں کے حقوق اور مسجد اقصیٰ کے دفاع میں اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ امت کو ان سے امید ہے کہ وہ اسلام کی سربلندی اور عزت کے لیے اپنی ذمہ داریاں نبھائیں گے۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی نے اس موقع پر امید ظاہر کی کہ خطے میں جاری تبدیلیاں مسئلہ فلسطین کے حق میں مثبت نتائج لائیں گی۔انہوں نے اہل غزہ اور مسئلہ فلسطین کے لیے علماء کی جانب سے ہر ممکن خدمت کی یقین دہانی کروائی۔

اس کے علاوہ، حماس کے وفد نے دارالعلوم نعیمیہ کراچی میں مفتی منیب الرحمن سے بھی ملاقات کی۔انہوں نے بتایا کہ غزہ میں 60 فیصد سے زیادہ بنیادی ڈھانچہ تباہ ہو چکا ہے۔تاہم انہوں نے یہ بھی یقین دلایا کہ مجاہدین کا حوصلہ بلند ہے اور ان میں جذبہ جہاد اور حماس زندہ ہے۔

مفتی منیب الرحمن نے فلسطینیوں کی جرأت اور حوصلے کو سراہتے ہوئے کہا کہ غزہ کے مظلوم فلسطینیوں کی مدد ہر ممکن طریقے سے کرنا امت مسلمہ کی دینی اور قومی ذمہ داری ہے۔انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ مسلمان فلسطینیوں کے حق میں عملی اقدامات کریں۔مفتی منیب الرحمن نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ غزہ کے زخمیوں کے علاج کے لیے صحرائے سینا میں ایک مکمل طور پر ایسا ہسپتال قائم کیا جائے، جہاں زخمیوں کو علاج اور بحالی کی سہولت فراہم کی جاسکے۔

انہوں نے انسانی حقوق کی تنظیموں کو عالمی سطح پر متحرک کرنے اور اسرائیلی سول و فوجی قیادت کے خلاف جنگی جرائم کے مقدمات بین الاقوامی عدالت انصاف میں چلانے پر بھی زور دیا۔مزید یہ کہ مسلمانوں سے اپنی استطاعت کے مطابق فلسطینیوں کی مدد کرنے کی اپیل کی۔

اس ملاقات میں جمعیت علماء پاکستان کے قائدین علامہ سید عقیل انجم، علامہ عبداللہ ضیائی، علامہ عبداللہ نورانی، اور علامہ خواجہ محمد اویس نقشبندی بھی شریک تھے۔

اس کے علاوہ معروف سماجی شخصیات یاسین نوری اور محمد اختر ساہی نے بھی شرکت کی۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی (خانہ کعبہ) سے مسجد
اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم
اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

ماہنامہ

براہِ راست

لاہور

جلد 11 شمارہ 01 جنوری 2025ء

مُدیر: مرزا محمد الیاس

ویب سائٹ: www.barah-i-rast.com

برقی پتہ ادارتی امور: editor@barah-irast.com

برقی پتہ انتظامی امور: contact@barah-i-rast.com

Price Rs.70

پبلشر مرزا محمد الیاس نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر 9/1A رائل پارک لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

- کلام اقبال 04
- اداریہ 05

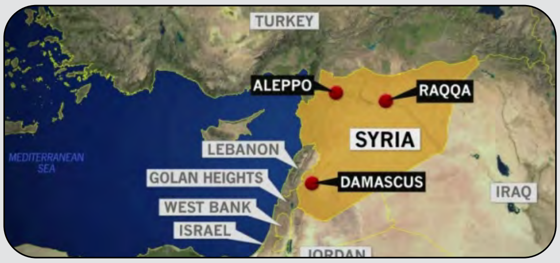

شام: نوید صبح یا خطے میں شام کے سایوں کی یلغار

بیت لاھیاء: فلسطینیوں کا قبرستان

ہر فلسطینی کی کہانی، یاسمین المصری کی زبانی

ماہر الشرافاء فٹ بال کھیلنا چاہتا تھا!

یک قالب، دو جان: فلسطین اور پاکستان

- برطانیہ: فلسطینی شہریوں کی نسلی صفائی میں شامل
- ڈاگ کیمرہ: فلسطینیوں پر حملوں کا مہلک ہتھیار
- یسریٰ مقادمہ اور احمد مقادمہ: ڈاکٹر ماں، ڈاکٹر بیٹا
- غزہ کی پہچان، رفعت العرعیر
- لاکھوں فلسطینیوں کے قتل کا دو سالہ صہیونی منصوبہ
- امریکہ میں صہیونیت کا مورچہ: آئی پیک

نگاہ فقر میں شان سکندری کیا ہے

نگاہ فقر میں شان سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے
بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے
فلک نے ان کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنہیں
خبر نہیں روش بندہ پروری کیا ہے
فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے
اسی خطا سے عتاب ملوک ہے مجھ پر
کہ جانتا ہوں مآل سکندری کیا ہے
کسے نہیں ہے تمنائے سروری لیکن
خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے
خوش آ گئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر مرا کیا ہے شاعری کیا ہے

کلامِ اقبال

اداریہ

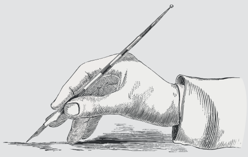

ھوسِ ملک گیری مغربی کنارے پر

امریکی سینیٹ کے رکن ٹام کٹن نے ایک بل پیش کیا ہے کہ حکومت امریکہ سرکاری دستاویزات میں مقبوضہ عرب علاقوں میں سے مغربی کنارے کا نام تبدیل کرے اور اسے بل کی منظوری کے بعد ’’جودیہ اور سماریہ‘‘ کے دو یہودی ناموں سے لکھا اور پکارا جائے۔ یادرہے کہ اسرائیل نے فلسطین کے علاقوں کو یہودیانے کی پالیسی طویل عرصے سے اختیار کررکھی ہے۔ مثال کے طور پر الخلیل کو ہیبرون کہا جاتا ہے۔ اس طرح فلسطینی ناموں کے بجائے یا عرب ناموں کے بجائے یہودی نام دیے جاتے ہیں۔

اسی طرح کا ایک بل ایوان نمائندگان یعنی کانگریس میں موجود ہے جسے کلاڈ میاٹینی، رینڈی ویبر اور انتھونی ایسپوزیٹو نے پیش کیا تھا۔ اگر سینیٹ اور کانگریس دونوں میں یہ بل قانون بن کر نافذ ہوجاتے ہیں تو پہلا کام یہ ہوگا کہ امریکہ مغربی کنارے کو اپنی دستاویزات میں جودیہ اور سماریہ کے نام سے پکارے گا۔ مغربی کنارہ دو علاقوں میں تبدیل سمجھا جائے گا۔ مقبوضہ عرب علاقوں کے بارے میں اقوام متحدہ کی درجنوں قراردادوں کے خلاف امریکہ ان علاقوں کے نام سے مغربی کنارے کو لکھے اور پکارے گا، گویا ان قراردادوں کے نافذ اور عمل درآمد کے بارے میں نیا تنازعہ پیدا کردیا جائے گا۔

اسرائیل کا یہ بہت پرانا دعویٰ ہے کہ یہ دراصل جودیہ اور سماریہ ہیں، یہ مغربی کنارہ نہیں ہیں۔ یہ اس کے قابض کردار کو جواز فراہم کرنے کے بہانے ہیں۔ اسرائیل امریکہ سے یہ مطالبہ کرتا آیا ہے کہ وہ مغربی کنارے کو سیاسی طور پر جودیہ اور سماریہ کے نام سے ہی موسوم کرے۔ اس پالیسی کی امریکی منظوری کی صورت میں ویسی ہی کیفیت پیدا ہوسکتی ہے جس طرح کی صورت حال تب پیدا ہوئی تھی جب ڈونلڈ ٹرمپ نے اسرائیلی مطالبہ پر تل ابیب کے بجائے بیت المقدس کو اس کا دارالخلافہ تسلیم کرتے ہوئے امریکی سفارت خانہ منتقل کردیا تھا۔ مغربی کنارے کے بارے میں معاملہ ایسے اقدام سے زیادہ سنگین ہوتا جائے گا۔

اس وقت بین الاقوامی سطح پر اسرائیل کی فلسطین بارے پالیسیوں پر کڑی تنقید ہورہی ہے۔ امریکہ کی قیادت میں اس کا اتحادی بلاک تمام اصولوں اور قوانین کو پامال کررہا ہے۔ گزشتہ سال جولائی میں بین الاقوامی عدالت انصاف نے قرار دیا تھا کہ مغربی کنارے پر اسرائیل کا قبضہ غیر قانونی اور غیر اخلاقی ہے۔ عدالت نے یہودی بستیوں کو بھی غیر قانونی قرار دیا تھا۔ ان بستیوں میں اسرائیل نے دنیا بھر سے 7 لاکھ یہودیوں کو لاکر بسایا ہوا ہے۔ خود اقوام متحدہ نے ان آبادکار یہودیوں کے متشدد رویوں اور فلسطینی گھروں، کاروباروں، کھیتوں پر حملوں کی وجہ سے ایک ہزار فلسطینیوں کی ہلاکت (شہادت) کی تفصیلات پر مبنی دستاویزات دنیا کے سامنے پیش کی ہیں۔ ان حملوں میں قابض اسرائیلی فوج بھی شامل ہے۔

امریکی سینیٹ میں قرارداد پیش کرنے والے ری پبلکن ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بل کی منظوری سے اسرائیل کے لیے امریکی حمایت کو گہرا کیا جاسکے گا۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہودی بستیاں مغربی کنارے میں قانونی حیثیت پالیں گی۔ یادرہے کہ ری پبلکن پارٹی کا یہ بہت دیرینہ مؤقف چلا آرہا ہے اور یہ اسرائیل کے فلسطینی علاقوں کے ناموں کو یہودیانے کی پالیسی کی توثیق ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ پارٹی کو فنڈز دینے والے میریم ایڈلسن جیسے کردار اس پالیسی کی پشت پناہی کررہے ہیں۔

گزشتہ سال فروری میں غزہ دشمنی میں پیش پیش امریکہ کے سیکرٹری آف سٹیٹ انتھونی بلنکن نے یہ کہا تھا کہ مغربی کنارے میں یہودی بستیوں کے پھیلاؤ سے اسرائیل کی اپنی سلامتی کو خطرات لاحق ہیں۔ اور یہ امریکی پالیسی کے خلاف اقدامات ہیں۔ ان کے بقول امریکہ دوریاستی حل کا حامی ہے۔ عملی صورت حال ان نکات اور ان کے نتیجے میں کیے جانے والے اسرائیلی اقدامات کی نفی کررہی ہے۔ اسرائیل مسلسل یہودی بستیاں بنا رہا ہے۔ موجودہ بستیوں میں مسلسل اضافہ کررہا ہے۔ مغربی کنارے میں اس کا فوجی تشدد جنگ مسلط کرنے کی کیفیت پیدا کررہا ہے۔ امریکہ ان تمام وقاعات پر خاموش ہے۔

اس مجوزہ بل کو ری پبلکن پارٹی کی پالیسیوں کا اعادہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ ڈونلڈ ٹرمپ کے اقتدار میں ان پالیسیوں سے اقدامات اور فلسطین کے حالات زیادہ سنگین ہوتے جانے کو ذہن میں رکھنا ہوگا۔ بہ ظاہر ٹرمپ نے کہا ہے کہ وہ جنگیں ختم کرنے آئے ہیں لیکن ان کے وائٹ ہاؤس داخلے سے پہلے ہی خاص طور پر اسرائیل کے توسیع پسند عزائم میں پوشیدہ اور ظاہر جارحیت شدت اختیار کرتی جارہی ہے۔ یہ خطرات اب سامنے آرہے ہیں

کہ مشرق وسطیٰ ایک بڑی جنگ کی لپیٹ میں آسکتا ہے۔

مغربی کنارے کے کچھ حصوں پر فلسطینی اتھارٹی کے نام سے ایک حکومت اوسلو معاہدے کے بعد سے کام کر رہی ہے۔ یہ حکومت ایریا سی کے انتظامی اختیارات تک ہی محدود ہے۔ حالیہ چند ہفتوں سے ان علاقوں میں رٹ قائم کرنے کے عنوان سے اس کی طرف سے اسرائیل کی ''پراکسی جنگ'' کی کیفیت پیدا کی جارہی ہے۔ روزانہ کی بنیاد پر فلسطینی نوجوانوں کی پرتشدد گرفتاریاں کی جارہی ہیں۔ فلسطینی اتھارٹی کی کوئی فوج نہ ہونے کے باوجود پولیس کے اقدامات حد سے زیادہ تجاوز کر رہے ہیں۔ اس طرح تین طرفہ لڑائی فلسطینیوں پر مسلط کردی گئی ہے۔ ایک طرف یہ اتھارٹی ہے، دوسری طرف یہودی آبادکار ہیں اور تیسری طرف اسرائیلی فوج یا اس کی آڑ میں شین بیٹ، موساد اور دیگر سیکیورٹی ادارے فلسطینیوں پر حملہ آور ہیں۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ امریکی کانگریس کی خاتون رکن راشدہ طالب نے اس بل کو مسترد کیا ہے۔ وہ مشی گن سے ڈیموکریٹ رکن ہیں۔ انہوں نے اس بل کو فلسطینی نسلی صفائی کا اقدام قرار دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ اس بل کی منظوری دراصل فلسطینیوں کو بالکل ختم کرنے کی حکمت عملی کا حصہ ہے۔

اس پہلو کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے کہ اس وقت غزہ پر مسلط جارحیت کو ایک تکونی جارحیت کہا جاسکتا ہے۔ اس کا مقصد عرب، مسلم اور فلسطینی کردار کا خاتمہ ہے۔ دوسرا مقصد یا پہلو امریکہ، اسرائیل اور یورپی اتحادیوں کی جانب سے طاقت کی تکون اس خطے پر مسلط کرنا ہے۔ تیسرا مقصد پٹرو ڈالر اور پٹروکیمیکل کے لیے، اسرائیل کی وسعت کے لیے اور خود ملک ملک ہوس گیری کے لیے نیا بلاک تشکیل دینا ہے۔

دنیا اس وقت ایک نئے نظام کا شاہدہ کر رہی ہے۔ اس میں ایک طرف امریکہ اور اس کا بڑا بلاک ہے جس کی مخالفت کرنا خطرات کو دعوت دینے کے مترادف خیال کیا جارہا ہے۔ دوسری طرف روس چین بلاک ہے یا اسے شنگھائی تعاون تنظیم کا کسی حد تک بلاک سمجھا جارہا ہے۔ ان کے مابین ابھی تک کسی بھی ایسے ''بلاک'' کی موجودگی محسوس نہیں کی جارہی جسے مسلم بلاک یا غیر جانب دار بلاک ہی کہا جاسکے۔ طاقت کا توازن فی الحال امریکہ کے پلڑے میں ہے۔ اس کے قانون ساز اداروں سے پاس ہونے والے بل دنیا میں مختلف نوعیت کے اثرات مرتب کر رہے ہیں۔

ان حالات میں مغربی کنارے کے بارے میں کسی پالیسی کی تیاری یا نفاذ کو غور سے دیکھنا چاہیے۔ اسرائیل ایک دہشت گرد استعارہ ہے۔ اس وقت انسانی حقوق کے تصورات کو اوطاق میں رکھ دیا گیا ہے۔ کسی فلسطینی کی شہادت ان حقوق یا ان سے وابستہ تصورات کو حرکت میں نہیں لارہی۔ اسرائیل کے صدر آئزک ہرزوگ نے اپنی فوج سے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ وہ فلسطینی شہریوں کو نشانہ بنانے سے نہ ہچکچائے اور بے دریغ ان کا قتل عام کرے۔ ایسا کرنا وہ اپنا قانونی حق سمجھے۔ اس کی وجہ ان کے لیے یہی ہے کہ دنیا خاموشی سے تماشا دیکھتی رہے گی اور کسی قانون کا ان پر اطلاق نہیں ہوگا۔

بنجمن نیتن یاہو نے بائبل کو بنیاد بناتے ہوئے کہا تھا کہ فلسطینیوں میں سے کسی کو معاف نہ کیا جائے، کسی بچے، بوڑھے یا جوان کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔

اسرائیلی فوج کے میجر جنرل غصام ایلین نے واضح طور پر کہا تھا کہ فلسطینی علاقوں کو بجلی، پانی، غذا اور سیوریج سب سہولتوں سے محروم کردیا جائے گا۔

سابق وزیر دفاع اور جنگی جرائم کے مرتکب قرار پانے والے اسرائیلی یوآف گلانت نے حکم دیا تھا کہ غزہ کو ان سہولتوں سے خالی کردیا جائے۔ اس نے کہا تھا کہ قابض فوج کا مقابلہ انسانوں سے نہیں، انسان نما جانوروں سے ہے۔ اس لیے ان کو صفحۂ ہستی سے مٹادیا جائے۔

ہم نے یہ بیانات اس لیے دہرائے ہیں تاکہ یہ بات ذہن میں رہے کہ غزہ یا مغربی کنارے پر کس نوعیت کی ذہنیت کیا تباہی مسلط کرنا چاہ رہی ہے۔ غزہ میں اس کی تباہی اور انسانوں کی بربادی سے مقاصد حاصل ہوگئے ہوتے تو اب تک کسی سیز فائر کی ضرورت نہ پڑتی۔

مغربی کنارے میں تشدد اور جارحیت کا مقصد وہاں کے لوگوں کی مزاحمت کے کسی بھی امکانی وجود کو بھی ختم کرنا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں رہ گیا ہے کہ فلسطینیوں کو مکمل طور پر تنہا کردیا گیا ہے۔ اس نوعیت کی علیحدگی یا تنہائی کا ہدف کوئی بھی مسلم ملک بن سکتا ہے۔ مشرق وسطیٰ اس کا ابتدائی ہدف ہوسکتا ہے۔

اس وقت ضرورت یہ ہے کہ امریکی رائے عامہ میں پائی جانے والی ناراضی کو ایک ایسی لہر میں تبدیل کیا جائے جو سیاسی اور انتظامی امور پر حکمران طبقات، کانگریس اور سینیٹ کو ان کی نئی تشکیل نو کے ساتھ ہی ایسی قانون سازی کے اثرات سے آگاہ کرتی رہے جو امریکہ کے مسلم امہ میں خراب ہوتے تاثر کو واضح کرسکے۔

اس وقت غزہ اور مغربی کنارے دونوں مقبوضات میں جس طرح کا تشدد ہو رہا ہے، اس کا خاتمہ ضروری ہے۔ دنیا بھر میں رائے عامہ دیکھ رہی ہے کہ وہاں ظلم ہو رہا ہے۔ اس صورت حال کا خاتمہ ضروری ہے۔ امت مسلمہ کو اس صورت حال کا ادراک اب عمل میں تبدیل کرنا ہوگا۔

شام : نوید صبح یا خطے میں شام کے سایوں کی یلغار

میڈیا واچ / منصور جعفر

لبنان اور اسرائیل کے درمیان فائر بندی معاہدے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ''تحریر الشام'' تنظیم نے ملک شام میں محاذ ہی نہیں کھولا بلکہ بشار الاسد کی حکومت کا دفتر عمل ہی بند کر دیا۔

شام میں بعث پارٹی اور اسد خاندان کے اقتدار کی بالآخر شام ہوگئی۔ طاقت، جبر اور بے رحمی کی ایک بڑی علامت محض چند دنوں میں قصہ پارینہ ہونے کے سفر پر روانہ ہوئی۔

ایسا سفر کہ اس طاقت اور جبر کی نشانی بنے رہے بشار الاسد کے سفر کے آغاز کا تو معلوم ہو سکا مگر سفر کی منزل کا ان سطور کے رقم کیے جانے تک حتمی طور پر واضح نہیں تھا کہ وہ کہاں ہیں اور کہاں نہیں۔

اگرچہ غالب امکان روس پہنچنے کا ہی تھا۔ اس دوران یہ واضح ہو گیا کہ بشار خاندان ایک ہفتہ قبل ہی فرار ہو کر روس چلا گیا تھا۔ رات بہت دیر سے روس نے بشار کی پہنچنے کی بھی تصدیق کر دی۔

شاہی فرار کی کہانیوں میں گویا ایک اور اضافہ ہو گیا ہے۔ مسلم ممالک کے نمایاں طور پر فرار ہونے والے حکمرانوں میں شاہ ایران رضا شاہ پہلوی اور اشرف غنی کے علاوہ تیونس اور یمن کے حکمرانوں کے نام بھی حالیہ برسوں کے دوران ہوئے اور پھر سب ہی قصہ پارینہ بن گئے۔

بنگلہ دیش کی حسینہ واجد کا ذکر بھی جملہ معترضہ کے طور پر اسی زمرے میں آتا ہے۔ ''کیسی کیسی صورتیں تھیں کہ خاک میں پنہاں۔''

شامی اپوزیشن کی حالیہ پیش قدمی اور پیش رفت کے منظر نامے میں اس الجھاوے کے کئی اور پہلو بھی موجود ہیں کہ یہ سب کچھ آناً فاناً کیسے ہو گیا؟

اس عمل کے پیچھے کون ہے؟ آنے والے دنوں میں سامنے کون آئے گا یا آگے کسے لایا جائے گا؟ گویا اس غیر معمولی فتح و شکست کے بہت سارے پرت کھلنا ابھی باقی ہیں۔

لیکن اس کے باوجود اس تیز رفتاری سے ہونے والی پیش قدمی و پیش رفت پر جس طرح بہت سے لوگ حیران ہیں، بہت سوں کی خوشی اور شادمانی بھی دیدنی ہے۔

جیسا کہ خود دمشق اور شام کے کئی دوسرے علاقوں سے جشن کی خبریں ہیں۔ اسی طرح شام کے اس اچانک سامنے آنے والے منظر نامے پر پریشانی میں مبتلا لوگوں کی تعداد بھی کم نہیں بلکہ بہت زیادہ ہے۔

ان میں کئی وہ لوگ ہیں جو شام کے اس باغیانہ اور جنگی تناظر میں پورے مشرق وسطیٰ کو جلتا ہوا (خاکم بدہن) دیکھنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔

انہیں خوف ہے کہ جس طرح ''وحشی آمریت'' کی جگہ ''بارودی جمہوریت'' اس خطے میں متعارف کرنے کا سلسلہ جاری ہے، اس کا اختتام کہاں جا کے ہوگا اور آنے والے دنوں میں کس کا مقدر بارود اور بغاوت کی زد پر ہوگا۔

یہ خوف اس لیے بھی بڑھا ہوا ہے کہ ''بارودی جمہوریت'' کا یہ تحفہ روایتی جمہوریت سے بالکل ہٹا ہوا ہے کہ اس میں ملکوں ملکوں ایسی جنگوں اور خانہ جنگیوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔

قوم اور قبائل ہی نہیں ملک بھی تقسیم ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔ ان خوف زدہ اور تشویش زدہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے آس پاس کے کئی ملکوں کی تباہی کی نشانیاں اور خوشحالی کے ملبے کے پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑنے لگتے ہیں۔

معدنی وسائل سے لدے مشرق وسطیٰ کو یہ لوگ ایک ایسی بڑھیا کی طرح دیکھنے لگتے ہیں جس کی دولت پر غنڈوں اور مشٹنڈوں نے ایک عرصے سے نظریں جما رکھی ہیں۔

جو کبھی داؤ سے، کبھی دباؤ سے، کبھی دھونس اور دھاندلی سے اور کبھی جنگ و جدل سے ہڑپ کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔

ان کی بڑھی ہوئی حرص و ہوس نے پورے خطے کو مسلسل افرا تفری، افتراق، جنگوں اور تباہی کی سرزمین بنا رکھا ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد کا ورلڈ آرڈر آنے والی ہر دہائی میں اس مشرق وسطیٰ کے لیے خونریزی و تباہی میں اضافے کی ایک نئی تاریخ لیے ہوئے ہے۔

آتشیں جنگیں، تباہی و بربادی اور لاکھوں کی بے گھری اور نقل مکانی کا ارض فلسطین پر ''یوم نکبہ'' سے ایسا آغاز ہوا کہ کہیں تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔

لگتا ہے فلسطینی کے گھروں کو لگائی گئی آگ وہیں تک نہیں رہنے دی جائے گی۔

مشرق وسطیٰ پر مسلط کردہ یہ قسمت و عداوت بظاہر امن و جمہوریت کے قیام اور انسانی حقوق و عدل کی بحالی کے نام پر ہے۔ مگر حقیقتاً یہ جمہوریت نہیں ایک ''بارودی جمہوریت'' ہے۔ جو مشرق وسطیٰ کے کبھی ایک ملک پر اور کبھی دوسرے پر بارود اور تباہی بن کر برستی ہے۔

نہ جانے یہ ''بارودی جمہوریت'' آنے والے برسوں میں کس کس پر آتش و آہن کی بارش بن کر برسے گی اور کس کس کی تباہی کا سامان کرے گی، کہ تیل اور گیس کے ذخائر تو آتش و آہن کی بارش کے لیے بڑے ہی سازگار ہوسکتے ہیں۔

اسی ''بارودی جمہوریت'' یا بارود کے ساتھ لائی گئی جمہوریت سے عراق، یمن، لیبیا میں غیر معمولی تباہی ہو چکی ہے۔ اسی کو لانے کے لیے ایران کئی بار خطروں سے دوچار ہو چکا ہے اور اب بھی خطروں میں گھرا ہوا ہے۔ لبنان تباہ حال ہے، شام میں تباہی کے ماہ و سال مسلسل جاری ہیں۔ شام کے قرب و جوار میں جو بظاہر اس جنگ سے محفوظ اور آگ سے بچے ہوئے ہیں۔

مگر خوف کے مارے ان کا بھی برا حال ہے کہ نہ جانے کب ان کی بھی باری آجائے۔ اس معاملے میں منصوبہ سازوں نے کیا ترتیب سوچ رکھی ہے اور کس ملک کی باری کب یا کس کے بعد آئے گی یہ اپنی جگہ اہم مگر حالات کی سازگاری اگر پہلے ہو جائے تو ترتیب الٹ پلٹ بھی ہوسکتی ہے۔

اس لیے جس جس ملک کا نام مشرق وسطیٰ یا نئے مشرق وسطیٰ کے نقشے میں موجود ہے۔ اس خطرے کی لکیر کے نیچے ہے، خطرات کے دائرے سے باہر ہرگز نہیں۔

خصوصاً وہ جنہیں اللہ نے کسی خاص امتیاز اور خوبی سے نوازا ہے، جس کے وسائل جس قدر زیادہ اس جمہوری چور بازاری میں اس کے لٹنے کے اتنے ہی خطرات زیادہ ہو سکتے ہیں۔

شام سے بشار الاسد بھی لد چکے۔ ان کی اپوزیشن کی ''تحریر الشام'' تنظیم نے چند دنوں میں جس سہولت سے اتنی بڑی فتح حاصل کی ہے، اس کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ اس کے عزائم مزید جنگ اور خون خرابے کے نہیں ہیں۔

بلاشبہ اس کا تعلق پرانی القاعدہ سے جوڑا جاتا ہے لیکن اس کے لہجے اور انداز میں القاعدہ کی سوچ اور اپروچ بعض پہلوؤں سے مفقود ہے۔ وگرنہ اس کی اس بروئے کار آنے والی عسکری و ایمانی قوت سات اکتوبر کے فوری بعد نہیں تو کم از کم چند ماہ بعد ہی سہی غزہ میں جاری اسرائیلی جنگ کے تناظر میں ضرور کہیں جھلکتی۔

ایسا ہرگز نہیں ہوا، اور پورے 14 ماہ کے دوران ایک بار بھی نہیں ہوا ہے۔ بلکہ ادھر لبنان اور اسرائیل کا معاہدہ ہوا اور ادھر 'تحریر الشام' تنظیم نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شام میں محاذ ہی نہیں کھولا بشار الاسد کی حکومت کا دفتر عمل ہی بند کر دیا۔

نہ صرف یہ بلکہ اس کے سربراہ ابو محمد الجولانی کے آبائی علاقے جولان کی مقبوضہ پہاڑیوں پر اسرائیل نے بھی بہ سہولت اپنی فوجی قوت کو مستحکم کر لیا۔ شامی علاقے میں قائم ''بفر زون'' میں اپنی فوجی موجودگی یہ کہہ کر سرعت سے یقینی بنائی کہ اسد حکومت کی فوج پیچھے ہٹ جانے سے معاہدہ ختم ہوگیا ہے۔

اس لیے اسرائیلی تحفظ و سلامتی کے لیے اسرائیلی فوج نے ''بفر زون'' پر خود کو پوری طرح جنگی موڈ میں لا کر بٹھا لیا ہے۔ مزید یہ کہ اسرائیلی وزیر اعظم نتن یاہو نے فاتحانہ اور جارحانہ دونوں پہلوؤں سے ان شامی مقبوضہ پہاڑیوں پر نئے تعینات کردہ فوجیوں سے خطاب بھی کر لیا ہے۔

اس کے چند گھنٹوں کے بعد اسرائیلی فوج نے دمشق میں ایک بار پھر بمباری کر کے تحریر الشام کو اس کے بارے میں پیغام دے دیا ہے۔

یاد رہے شام میں امریکی فوج کے 900 سپاہیوں کی پہلے سے موجودگی کے علاوہ خطے میں بڑھتی ہوئی اضافی قوت کے ساتھ امریکہ شام اور اس کے گرد و نواح پر پوری طرح نظر رکھے ہوئے ہے۔

جو بائیڈن انتظامیہ نے اپنے ابتدائی ردعمل میں کہا ہے کہ ''ہم داعش کے حوالے سے بھی چیزوں کو دیکھ رہے ہیں۔'' گویا داعش کی موجودگی اور حوالہ امریکہ کے لیے بھی ایک جواز کا باعث ہوسکتا ہے کہ وہ شام میں اپنے رسوخ اور تحرک کا دائرہ وسیع کر لے۔

البتہ ایران کے فوجی مشیران اور پاسداران کے بارے میں اب تک یہی اطلاعات ہیں کہ وہ کوچ کر گئے ہیں۔

بلاشبہ شام میں ''تحریر الشام'' تنظیم کو بشارالاسد کے خلاف کامیابی میں جس قدر میدان، صاف، ہموار اور آسان ملا ہے، اس وجہ سے ''تحریر الشام'' سے ملک کے اندر اور اڑوس پڑوس میں توقعات کا دامن وسیع تر ہوگا۔

سب سے پہلے یہ کہ ابومحمد الجولانی کے زیر قیادت ''تحریر الشام'' تنظیم کو غزہ اور فلسطینی عوام کے بارے میں کوئی واضح اور دوٹوک انداز اختیار کرنا پڑے گا کہ وہ حزب اللہ کی طرح اس وقت سربریدہ اور کمرخمیدہ نہیں بلکہ کامیاب و کامران قوت کی علامت بھی۔

اگر اس کی قوت غزہ میں جاری اسرائیلی طویل ترین جنگ کے باوجود گنگ رہی تو ہوسکتا ہے کہ شام کے عوام کے لیے تو یہ تنظیم کچھ عرصے کے لیے امیدوں کا سامان بنی رہے مگر شام سے باہر اور اڑوس پڑوس کے مسلمان عوام میں اس کی ساکھ پر سوال اٹھنا شروع ہوجائیں گے۔

اسرائیل کی دمشق پر بمباری نے بھی ''تحریر الشام'' کی ہیئت سمجھنے میں مستقبل میں ایک حوالہ بننا ہے۔

مشرق وسطیٰ کے ساتھ آنے والے دنوں میں کیا ہوگا؟ شام کی یہ جنگ کب تک امن میں بدلے گی؟ یہ اہم سوالات ہیں اس کے ساتھ ہی یہ سوال بھی اہم ہے کہ اگر شام کی جنگ کسی اور شکل میں شروع ہوجاتی ہے تو مشرق وسطیٰ پر اس کے اثرات کس کس سمت اور شکل میں سامنے آئیں گے؟

اس سلسلے میں اسرائیل کے ''گریٹر اسرائیل'' کے نقشے اور منصوبے کو بھی نظرانداز نہیں کیا جائے گا۔ نیز 2004 میں اس وقت کے امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کے پیش کردہ مشرق وسطیٰ کی جگہ ''نئے مشرق وسطیٰ'' کے تصور کو ایک ''گریٹر اسرائیل'' کے نقشے کے ساتھ جوڑ کر دیکھنا غیر متعلق نہ ہوتا۔ کونڈا لیزا رائس نے اس کا پہلی بار اظہار تل ابیب میں کھڑے ہو کر کیا تھا۔

اسرائیل کے ارگرد کا میدان اور ماحول کافی حد تک اسرائیل کے لیے مسائل اور چیلنجوں سے پاک ہو رہا ہے۔ اردن، مصر، لبنان، شام اور ایک حد تک ایران اور ترکیہ اب اسرائیل کے لیے کسی قسم کے مسئلے کا سبب بننے کی پوزیشن میں نہیں۔

خود غزہ میں اسرائیل نے جس قدر تباہی کر لی ہے وہاں سے بھی مزاحمت کا رنگ ڈھنگ پہلے والا آسان نہیں ہے۔ الا یہ کہ حماس اور دوسرے مزاحمتی گروپوں کی حکمت عملی کی کوئی نئی شکل نہیں آجاتی۔

اسی عرب دنیا کے سواد اعظم کی بات تو ابراہم معاہدے کے نتیجے میں کافی آسانیاں اسرائیل کو مل چکی ہیں۔ مزید کا امکان بھی زیادہ دور ہوا تو اسرائیل کی وجہ سے ہی ہوگا۔

جیسا کہ سعودی وزیر خارجہ شہزادہ فیصل بن فرحان نے ''منامہ ڈائیلاگ 2024'' کی افتتاحی تقریب سے خطاب میں کہا ''بین الاقوامی برادری اپنے قوانین اور اداروں کی ساکھ کو باقی رکھنے میں دلچسپی رکھتی ہے۔ تو اسے اپنا ہاتھ سعودی عرب اور ان علاقائی ممالک کے ہاتھ میں دینا چاہیے جو امن کے لیے الفاظ کو اعمال کے قالب میں ڈھالنے اور زمین پر دو ریاستی حل کو مجسم کرنے کے لیے سنجیدہ ہیں۔''

لیکن اگر اسرائیل کے 'گریٹر اسرائیل' منصوبے کے ساتھ ساتھ آنے والی ٹرمپ انتظامیہ نے مشرق وسطیٰ کے لیے بھی وہی زاویہ نگاہ رکھا جو اسرائیل کا ہے تو صاف مطلب ہے کہ شام میں بشارالاسد کے خلاف تو جنگ کی شام ہوگئی۔

مگر خطے میں ایک نئی جنگ کی شروعات بھی بعید از امکان نہیں ہے۔ جس میں ابتدائی اور فطری طور پر پہلے درجے اور دائرے میں مشرق وسطیٰ کے پرانے رکن ممالک کے لیے خطرات زیادہ ہوں گے۔ جبکہ ثانوی طور پر جارج ڈبلیو بش کے نئے مشرق وسطیٰ کے لیے کونڈا لیزا رائس کے الفاظ میں ''تعمیری افراتفری'' کے امکانات کو رد نہیں کیا جاسکتا۔

افراتفری تعمیری ہو یا غیر تعمیری افراتفری بہرحال افراتفری ہوگی۔ بس اس کی شروعات کا انداز الگ الگ اور عمل درآمد کا طریقہ کار مختلف ہوگا۔

یاد رہے اس نئے مشرق وسطیٰ میں طویل جنگوں کی سرزمین افغانستان، لمبی دہشت گردی برداشت کرنے والا پاکستان اور سول و فوج کی آویزش کی طویل تاریخ رکھنے والا ترکیہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ عالمی طاقتیں ان ملکوں کے تاریخ، جغرافیہ، سماج و معاش سبھی سے نہ صرف خوب آگاہی رکھتے ہیں بلکہ ان کی افادیت اور چیلنجوں سے بھی خوب آگاہ ہیں۔

اس لیے شام میں ''تحریر الشام'' تنظیم کا غلبہ خطے میں کیا رخ اختیار کرتا ہے اور دنیا کی غالب قوتیں خطے میں کس طرح متحرک ہوتی ہیں۔ یہ عرب لیگ، او آئی سی اور شنگھائی کانفرنس کے علاوہ برکس اور دوسرے ملکوں کے لیے بھی کافی سنجیدہ سوال ہوگا۔

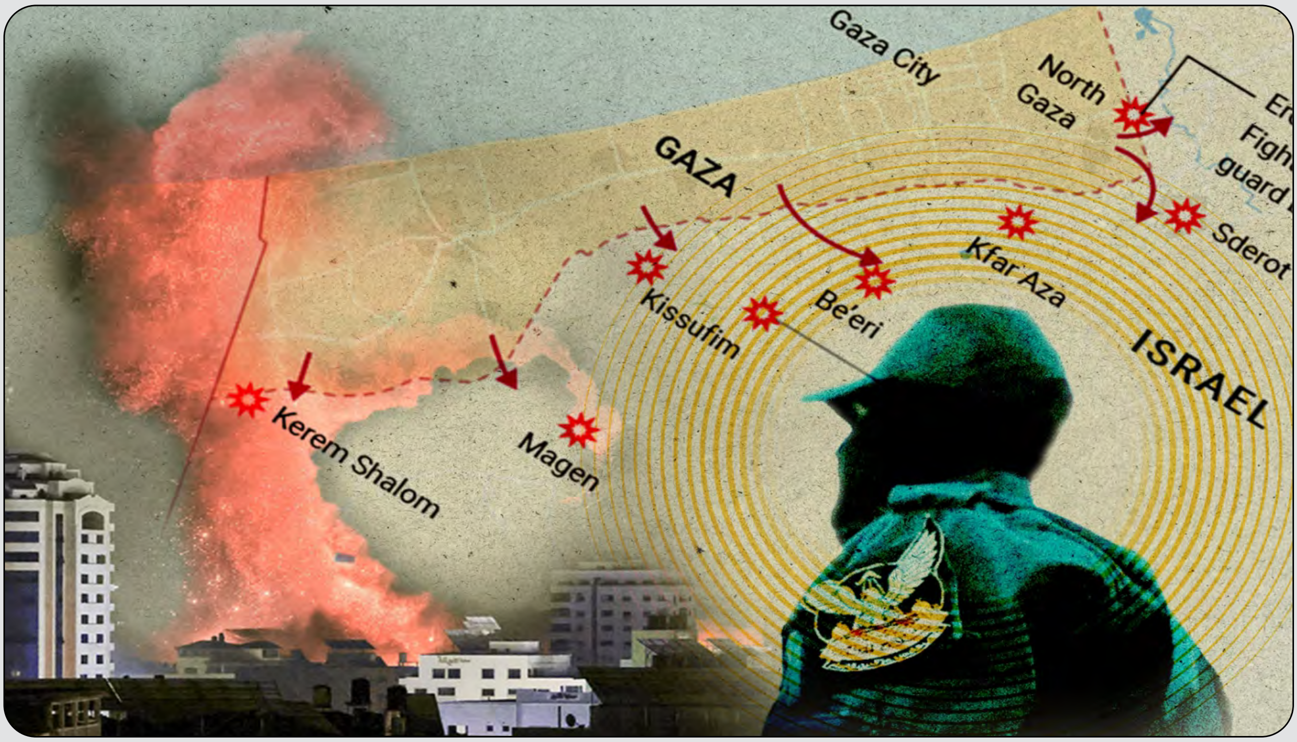

جائزہ / مرزا محمد الیاس

بیت لاھیاء: فلسطینیوں کا قبرستان

شمالی غزہ: بے خبر مسلمانوں کا ماتم کدہ بھی نہ بن سکا

لاکھوں بے دخل، ہزاروں گھر ملبے کا ڈھیر، عالم اسلام خاموش

زندگی جبر مسلسل، ظلمتِ شب اب منتظر صبح بھی نہیں

سینکڑوں شہید، ہزاروں زخمی، بے خانماں بے اماں

شمالی غزہ میں تین علاقے ایک مثلث بناتے ہیں۔ ان میں سب سے بلندی پر بیت لاھیا، اس کے ایک طرف نیچے کی سمت بیت حنون اور اس کے فاصلے پر بیت لاھیہ کے نیچے کی ہی سمت جبالیہ ہیں۔ بیت لاھیہ یا لاھیا، جبالیہ کے شمال میں ہے۔ یہ تینوں علاقے گورنریٹ کا درجہ رکھتے ہیں۔ بیت لاھیا اسرائیل کے پڑوس میں ہے۔ اس کا میونسپلٹی کے اعتبار سے بڑا درجہ ہے۔ یہاں ریت کے ٹیلے ہیں۔ ان ٹیلوں کی اونچائی 55 میٹر تک بلند ہے۔ یہ بلندی سطح سمندر سے ہے۔ یہاں میٹھے پانی کے چشمے ہیں۔ سٹرابری اور سٹریس کے باغات ہیں۔ بیت لاھیا میں ایک پرانی پہاڑی ہے۔ پانچویں صدی میں یہاں ایک مورخ سوزومن تھا۔ اس کا قبیلہ کئی نسلوں سے یہاں آباد تھا۔ یہیں آرامائی مرکز بھی تھا جو تقریباً 360 سال پرانا بتایا جاتا ہے۔ بازنطینی دور سے یہاں سرامکس کا کاروبار ہوتا تھا۔ ایک محراب بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسجد تھی اور اس محراب سے قبلہ کا تعین کیا جاتا تھا۔ یہ مسجد بیت لاھیا کے مغرب میں تھی۔ یہیں ایوبی خاندان اور صلاح الدین ایوبی کے آغاز کے دنوں کا پتہ ملتا ہے۔ دو مساجد اور بھی ہیں جو عثمانی دور سے ہیں اور ان سے غزہ سنجک کی یادیں وابستہ ہیں۔ ایک ماربل پتھر پر مملوک خاندان کا تذکرہ خط نسخ میں کندہ ہے۔

بیت لاھیا میں 17 ویں اور 18 ویں صدیوں میں بدوؤں کا بہت زور رہا ہے۔ ان کی وجہ سے یہاں کی آبادی شکست وریخت سے دوچار رہی ہیں۔ یہاں سے لوگ آباد علاقوں کی طرف ہجرت پر مجبور ہوتے رہے۔ لیکن یہاں کھیتی باڑی کے لیے لوگ قریبی دیہات سے

آتے رہے ہیں۔ 1839ء میں یہاں کی آبادی وکٹر گورین نے صرف 250 افراد پر مشتمل بتائی ہے۔ یہاں بہت سرسبز علاقے تھے، کھیت اور کھلیان آباد تھے۔ ان کے اردگرد بلند و بالا ریت کے ٹیلے ہوا کرتے تھے۔ ان کی وجہ سے درجۂ حرارت بہت زیادہ اور گرمی زوروں پر ہوتی تھی۔ ریت کے ٹیلے تیز ہواؤں کی وجہ سے اپنی جگہ بدلتے رہتے تھے۔

برٹش مینڈیٹ میں 1927ء میں فلسطین کی مردم شماری کرائی گئی۔ بیت لاھیا کی کل آبادی 871 تھی۔ یہ سب مسلمان تھے۔ 1931ء کی مردم شماری میں یہ تعداد 1133 ہوگئی اور ان کے گھرانے 223 ہوگئے تھے۔ یہ بھی سب مسلمان تھے۔ پھر 1945ء میں یہ تعداد 1,700 ہوگئی۔ یہ بھی سو فیصد مسلمان ور فلسطینی ہی تھے۔ یہاں کا رقبہ 38,376 دونم تھا۔ یہاں مالٹے اور کیلے کے وسیع باغات تھے۔

اسرائیل نے 2004ء میں یہاں یعنی شمالی غزہ میں فوجی آپریشن کیا۔ 4 جنوری 2005ء میں سات افراد شہید کردیے گئے۔ ان میں سے 6 افراد کا تعلق ایک ہی خاندان سے تھا۔ اسرائیل نے 9 جون 2006ء کو یہاں پھر حملہ کرکے 8 افراد کو شہید کردیا۔ یہ لوگ شمالی غزہ میں پکنک کے لیے آئے ہوئے تھے۔ ان میں سے سات افراد کا تعلق ایک ہی خاندان سے تھا۔ 2008-2009ء میں یہاں پھر حملہ ہوا۔ اس وقت یہاں حماس کا کنٹرول تھا۔ اسرائیل نے یہاں کے وقت مسجد ابراہیم المقدنہ پر حملہ کیا۔ اس وقت 200 کے قریب نمازی عشاء کی نماز ادا کررہے تھے۔ تب 14 نمازی جن میں 6 کم سن بچے بھی شامل تھے، شہید کردیے گئے۔ 60 نمازی زخمی ہوئے۔ یہ میزائل حملہ تھا۔

دسمبر 2023ء میں اسرائیل نے حماس پر بیت لاھیا میں بڑے حملے کا آغاز کیا۔ آغاز فضائی حملوں سے کیا گیا۔ زمینی حملے سے قبل بیت لاھیا کے اردگرد کے علاقوں، دیہات اور فصل و باغ ہر جگہ کو برباد کرنے کے لیے بے تحاشا حملے کیے گئے۔ یوں بیت لاھیا کو برباد کردیا گیا۔ ہسپتال تباہ کردیے گئے، سیوریج ختم کردیا گیا، سکولوں کو میزائلوں سے اڑا دیا گیا۔ اس سال اکتوبر تا دسمبر حملوں میں جنرلز پلان کے تحت حملے کیے گئے۔ بڑا مقصد یہ تھا کہ شمالی غزہ کو فلسطینیوں سے مکمل خالی کرایا جائے۔ 29 اور 30 اکتوبر کو ہونے والے حملوں کی تفصیلات وکی پیڈیا اور الجزیرہ پر دی گئی ہیں۔ وکی پیڈیا پر سارا ادارتی عملہ صہیونی ہے۔ الجزیرہ پر اسرائیل نے اس کی بے لاگ رپورٹنگ کی وجہ سے پابندی لگا رکھی ہے۔ ہم پہلے شمالی غزہ کے اس علاقے بیت لاھیا پر حملوں اور فلسطینیوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کی تفصیلات وکی پیڈیا سے پیش کرتے ہیں۔

29 اکتوبر 2024ء کو اسرائیل نے پانچ منزلہ عمارت پر بیت لاھیا میں حملہ کرکے 55 سے 93 فلسطینیوں کو قتل کردیا۔ ان میں 25 بچے اور 40 خواتین تھیں۔ (دونوں جمع کیے جائیں تو 65 بنتے ہیں، 55 سے 10 زیادہ ہے۔ روایت میں 55 کہے گئے۔ درایت کے

مطابق 65 تھے، عمارت میں صرف عورتیں اور بچے ہی نہیں تھے، مرد بھی تھے)۔ یہ حملہ صبح 6 بج کر 30 منٹ پر ہوا۔ وزارت صحت کے مطابق 93 جانیں ضائع ہوئیں۔ اسرائیلی افواج کے مطابق اس عمارت کی چھت پر مشکوک سرگرمی دیکھی گئی اور پھر حملہ کیا گیا۔ کمال عدوان ہسپتال میں اسرائیلی فوج کے مطابق ڈاکٹر موجود نہ تھے، اس لیے بروقت علاج نہ ہوسکا۔“

اب ہم الجزیرہ کی رپورٹ کا تذکرہ کرتے ہیں:

(30 اکتوبر) بیت لاھیا کے شہر کو تباہ حال قرار دے دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ اسرائیل نے شمالی غزہ پر متعدد فضائی حملے کیے۔ میونسپلٹی کے مطابق رات گئے (29 اکتوبر) کو حملے کیے گئے۔ ان میں مبینہ طور پر 8 افراد مارے گئے۔ یہ حملے ان حملوں کا تسلسل تھے جن کے نتیجے میں گزشتہ 7 دنوں میں شمالی غزہ کے ان علاقوں (بیت لاھیا) میں 350 فلسطینی شہید کردیے گئے۔ اس کی تفصیل اقوام متحدہ کے دفتر سے جاری کی گئی۔ اقوام متحدہ کے دفتر او سی ایچ اے نے کہا کہ: ”ہم اعلان کرتے ہیں کہ اسرائیل نے لوگوں کو ختم کرنے اور محاصرے کی جو مہم شروع کررکھی ہے، اس کی وجہ سے غذا، پانی، ہسپتال، ڈاکٹرز، خدمات یا مواصلات کا کوئی سلسلہ نہیں ہے۔ حکام نے مطالبہ کیا ہے کہ محفوظ راستے کھولے جائیں تاکہ طبی سہولیات، غذا، پانی، ایندھن، شہری دفاع کے آلات شمالی غزہ میں لائے جائیں۔

یہ علاقہ بے پناہ حملوں کی زد میں ہے۔ اسرائیل نے فوجی حملوں سے بیت لاھیا اور جبالیہ کو ہدف بنایا ہوا ہے۔ یہ سلسلہ اکتوبر کے اوائل سے جاری ہے۔ ہزاروں لوگ بے گھر ہیں۔ وہ پناہ کی تلاش میں ہیں۔ ان کے پاس غذا، پانی اور دوسری ضروریات زندگی میسر نہیں ہیں، طبی امداد عملی طور پر ختم ہوچکی ہے۔

فلسطین میں ریڈ کریسنٹ سوسائٹی کے غزہ کے حکام کہہ رہے ہیں کہ اوکسفام (اقوام متحدہ کے ادارے) کے مطابق صورت حال تباہ کن ہے، لوگوں تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ شمالی غزہ کا یہ علاقہ (بیت لاھیا) فوج کے مکمل کنٹرول میں ہے جو غذا، ایندھن اور مواصلات کے داخلے کی قطعی اجازت نہیں دے رہی ہے۔ بھوک کو ہتھیار کے طور پر استعمال کررہی ہے۔ اسی وجہ سے میونسپلٹی نے بیت لاھیا کو مکمل تباہ شدہ قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں زندگی ممکن نہیں ہے۔ الجزیرہ کے نمائندے ہانی محمود کی رپورٹ بھی یہی ہے جو دیر البلاح سے رپورٹ کررہے تھے۔

غزہ میں اقوام متحدہ کی ایجنسی انزوا (UNRWA) کے سینیئر ڈپٹی ڈائریکٹر سام روز نے شمالی غزہ میں صورت حال کو مکمل تباہی قرار دیا ہے۔ ”یہ خوف ناک صورت حال ہے۔“ ان کا مزید کہنا ہے کہ ”یہاں آبادی کے لیے باقی رہنے کی کوئی شکل ممکن نہیں ہے۔“

محاصرے کی وجہ سے شمالی غزہ میں اب تک 800 فلسطینی ہلاک کیے جاچکے ہیں۔ ان میں سے سب سے تباہ کن واقعہ یہ ہے کہ ایک ہی حملے میں پانچ منزلہ عمارت ملبے کا ڈھیر بنادی گئی ہے۔ اس ایک حملے میں 93 افراد

ہلاک ہوئے ہیں۔

مشرق وسطیٰ میں یو این کے نمائندہ برائے امن تور وینز لینڈ نے کہا ہے کہ حالیہ وسیع پیمانے پر قتل عام کے واقعات میں یہ ایک اور قتل عام ہے۔ اس نے بین الاقوامی انسانی قانون کی پامالی کی نئی تاریخ رقم کی ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا ہے کہ مدت اور تباہی کے اس سلسلے کو اب روک جانا چاہیے۔

امریکہ اس حملے کو ہولناک قرار دینے کے باوجود اربوں ڈالرز مالیت کی امداد اور فوجی امداد کا سلسلہ اسرائیل کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ اسرائیلی فوج نے کہا ہے (حسب سابق) کہ وہ اس واقعہ کی تحقیقات کر رہی ہے لیکن اس

نے منگل کی رات کے واقعہ پر کسی طرح کا تبصرہ کرنے سے انکار کیا ہے۔

اقوام متحدہ کے ادارے او سی ایچ اے نے کہا ہے کہ 24 سے 29 اکتوبر کے درمیان قتل عام کے واقعات میں 347 افراد کو قتل کیا گیا ہے۔

ان دو رپورٹوں کے تقابل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مغربی میڈیا کس قدر غیر جانب دار اور آزاد ہے۔ اب ہم 17 نومبر کی دو رپورٹوں کو پیش کریں گے۔ ایک بی بی سی کی ہے اور دوسری الجزیرہ کی ہے۔ بی بی سی کی رپورٹ کہتی ہے:

''اسرائیل کے ایک فضائی حملے میں بیت لاہیا شمالی غزہ کی پانچ منزلہ عمارت زمین بوس ہوگئی ہے۔ سول ڈیفنس ایجنسی کے مطابق اس حملے میں 34 افراد ہلاک ہوئے ہیں۔ اے ایف پی کے مطابق ایجنسی نے بتایا ہے کہ ہلاک ہونے والوں میں اکثریت عورتوں اور بچوں کی تھی۔ خدشہ ہے کہ اب بھی درجنوں لوگ ملبے تلے دبے ہوئے ہیں۔ سات افراد زخمی حالت میں ملے ہیں۔

اسرائیلی فوج نے کہا ہے کہ وہ غزہ میں فوجی اہداف کو نشانہ بنا رہی تھی۔ بیت لاہیا میں حماس پر اس وقت حملہ کیا جب وہ دوبارہ گروپ میں منظم ہو رہے تھے۔ غزہ میں دوسرے مقامات پر پناہ گزین کیمپ پر حملہ میں 15 افراد مارے گئے ہیں۔ رفاہ، جنوب میں 5 افراد مارے گئے ہیں۔

شہری دفاع کے ترجمان نے کہا ہے کہ مزید لوگوں کے مارے جانے کا امکان ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شدید گولہ باری سے زخمی نکالے نہیں جا سکتے۔

بیت لاہیا میں تباہ شدہ عمارت سے جو کچھ بچ سکا ہے، وہ صرف ملبہ ہے۔ عمارت کے ایک رہائشی نے بتایا ہے کہ وہ حملے کے وقت وہاں موجود نہیں تھا۔ وہاں اب موت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اب ہم الجزیرہ کی رپورٹ دیکھتے ہیں:

''کم از کم 50 افراد جن میں ایک تہائی تعداد بچوں کی تھی، شمالی غزہ کے علاقے بیت لاہیا میں (17 نومبر) مارے گئے ہیں۔ اس کی وجہ تباہ کن بمباری ہے جو وسطی اور جنوبی غزہ پر کی گئی ہے۔

غزہ کے حکومتی میڈیا آفس نے اتوار کو بتایا ہے کہ بیت لاہیا میں پانچ منزلہ عمارت میں چھ خاندان موجود تھے جب اس پر اسرائیلی فوج نے حملہ کیا۔ وزارت صحت کے ڈائریکٹر جنرل منیر البرش نے الجزیرہ کو بتایا کہ بیت لاہیا میں اس قتل عام میں ہلاک ہونے والے 30 فیصد بچے تھے۔ زخمیوں کی تعداد درجنوں میں ہے، یہ خطرہ الگ سے ہے کہ ابھی بڑی تعداد ملبے تلے دبی ہوئی ہے۔

فلسطینی سول ڈیفنس کے ترجمان محمد باصل نے الجزیرہ کو بتایا ہے کہ متاثرہ عمارت میں کام کرنے کے لیے رضا کار دستیاب نہیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ 40 دنوں سے اسرائیلی فوج نے کسی کو علاقے میں جانے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اسرائیل نے صورت حال پر تبصرہ کرنے سے بھی انکار کر دیا ہے۔ وہ غزہ میں مسلسل نسل کشی کی کارروائیوں میں مصروف ہے۔

اسرائیل نے بیت لاہیا کو پہلی بار نشانہ نہیں بنایا ہے۔ اس کے حملوں میں بڑے پیمانے پر ہلاکتیں ہو رہی ہیں، گزشتہ مہینے فوج نے ابو نصر خاندان کی رہائش گاہ پر حملہ کیا تھا، جس سے 93 افراد ہلاک ہو گئے تھے۔

گزشتہ اتوار کو اسرائیل نے اقوام متحدہ کے زیر انتظام سکول پر حملہ کیا تھا جس میں 10 فلسطینی ہلاک اور 20 زخمی ہو گئے تھے۔ ان میں عورتیں اور بچے

بھی شامل تھے۔

گزشتہ مہینے اسرائیل نے بیت لاھیا میں ٹینک بھیجے تھے۔قریبی گاؤں بیت حنون میں بھی ٹینکوں سے یلغار کی گئی تھی۔جبالیہ پر بھی ایسا ہی حملہ کیا گیا تھا۔اس طرح کے حملوں میں 8 پناہ گزین کیمپ تباہ کر دیے گئے اور کہا گیا کہ حماس سے جنگ ہو رہی ہے۔

اسرائیل نے دعویٰ کیا ہے کہ ان تین علاقوں میں حماس کے سینکڑوں جنگجو مارے گئے ہیں۔فلسطینی حکام کا کہنا ہے کہ حملوں میں بڑی تعداد میں عورتیں اور بچے مارے گئے ہیں۔ ہزاروں افراد کو بھوک سے مرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔

اتوار کی صبح اسرائیلی فضائی حملوں میں نصیرات اور بریج میں 17 افراد مار دیے گئے ہیں۔ البلاح سے رپورٹنگ میں الجزیرہ کی رپورٹر ہند خدرے نے بتایا ہے کہ دھماکوں میں وقفہ نہیں آرہا ہے، یہ دھماکے وسطی غزہ میں تسلسل سے ہو رہے ہیں۔

الاقصیٰ ہسپتال کے مردہ خانوں میں اب بھی 17 لاشیں موجود ہیں۔لوگ انتظار میں ہیں کہ وہ ان کو دفنا سکیں، لیکن کفن کا سامان غزہ میں دستیاب نہیں ہے۔ ہند کا کہنا ہے کہ ”ہم دیکھ رہے ہیں کہ مائیں چیخ و پکار کر رہی ہیں۔ وہ کہہ رہی ہیں کہ انہیں اپنے پیاروں کو دفن کرنے دیا جائے۔“

اس رپورٹ کے قدرے آخر میں رائٹرز کی ایک رپورٹ پیش خدمت ہے۔ یہ رپورٹ ترکیہ کی نیوز ایجنسی اندولو کی خبر پر مبنی ہے:

”اسرائیلی فوج نے ہزاروں فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا ہے۔ وہ بیت لاھیا میں پناہ کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ یہاں اسرائیل کے ملٹری آپریشنز مسلسل جاری ہیں۔انہیں زبردستی بے دخل کر دیا گیا ہے۔ ان کے علاقے کے باہر چیک پوسٹ قائم کی گئی ہے۔ یہاں لڑکوں اور مردوں کو ان کی لڑکیوں اور خواتین سے الگ کر دیا جاتا ہے۔مردوں کو گرفتار کر کے تفتیشی مراکز میں سوال و جواب کے لیے لے جایا جاتا ہے۔

ایک عورت جسے چیک پوسٹ لے جایا جا رہا تھا، اس نے عرب 48 کو بتایا ہے کہ فوج اس کے خاوند اور 12 سال کے معذور بیٹے کو روک لیا ہے۔ اس طرح اسے اس کے خاوند اور بچے سے الگ کر دیا ہے۔ ”اسرائیلی ہمارے مردوں کو کہیں اور لے جا رہے ہیں۔“ عورت نے صحافیوں کو بتایا۔

ایک عورت آمنہ حسین سے اندولو ایجنسی نے انٹرویو کیا تو اس نے کہا کہ ”ہمیں مجبور کیا جا رہا ہے کہ ہم اپنے علاقے خالی کر دیں۔ ٹینک ہمارے گرد گھیرا ڈالتے ہیں اور ہماری پناہ گاہوں پر بھاری بم باری کرتے ہیں۔ ہمیں نکلنے پر مجبور کیا جا رہا ہے، حسین نے مزید بتایا کہ جن لوگوں نے

شمالی غزہ چھوڑنے سے انکار کیا وہ التمام سکول کامپلیکس میں جمع ہیں۔ بیت لاھیا کا یہ سکول ہم سب کی پناہ گاہ ہے۔اس وقت سخت سراسیمگی پھیل گئی جب سب کو کہا گیا کہ سکول خالی کر دیں۔ پھر ایک دم سے ہزاروں لوگ وہاں سے نکلے۔

اسرائیلی فوج نے سکول کو گھیرے میں لے لیا۔ پھر ان کی طرف سے شدید شیلنگ شروع ہو گئی۔ سب شدید خوف زدہ ہو گئے۔ فوج نے ڈرونز سے اعلانات کرنا شروع کر دیے۔شیلنگ بڑھتی گئی اور سب کو وہاں سے نکلنا پڑا۔

انسانی حقوق کے کارکنوں نے بتایا کہ اسرائیلی فوج نے 5 اکتوبر سے جگہ جگہ نئے حملے شروع کر دیے، اس نے علاقے کو نسلی طور پر صاف کرنا شروع کر دیا۔ یہ نیا حملہ ”جنرلز پلان“ کے بعد شروع کیا گیا۔

اس پلان کے مطابق شمالی غزہ میں ٹھہرنے والے کو حماس کا جنگجو شمار کیا جائے گا اور مار دیا جائے گا۔شمالی غزہ میں ایک لاکھ سے لے کر ایک لاکھ 30 ہزار افراد کو بے گھر اور بے دخل کر دیا گیا ہے۔ بیت لاھیا میں خوراک، پانی، ایندھن، ادویات اور مواصلات کی شدید کمی ہے۔موسم بلا کا سرد ہے۔ دوسری طرف فوج کے حملوں میں شدت آرہی ہے۔ ہیلی کاپٹرز اور ڈرونز سے گھروں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ بم برسائے جا رہے ہیں۔ گھروں کے درمیان دھماکہ کرنے والے بیرل لگا دیے گئے ہیں۔

شمال میں شدید قسم کی ناکہ بندی کی گئی ہے۔میڈیا کے آنے کو ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ بھوک کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ بھی جنرلز پلان کے تحت کیا جا رہا ہے۔

ہم نے گزشتہ تین ماہ کے صرف تین دنوں کی رپورٹس پیش کی ہیں۔ایک کوشش یہ ہے کہ اصل صورت حال سامنے رکھی جائے، دوسری کوشش یہ کہ ہے کہ تقابلی مطالعہ ان تین دنوں کا پیش کیا جائے۔ اس کوشش میں یہ نہیں کیا کہ ان کے کام کو زیادہ بڑا بنا کر پیش کیا جائے۔ اصول یہ رکھا ہے کہ ان تین دنوں کا انتخاب کیا جائے جن میں مغربی میڈیا کے ساتھ مسلم میڈیا کی رپورٹیں بھی شامل ہوں۔

پھر متعلقہ حکام، اقوام متحدہ کے اداروں اور غیر جانب دار حلقوں اور نیوز ایجنسیوں سے مدد لی جائے اور ان دنوں میں ان کی رپورٹیں من و عن پیش کر دی جائیں۔ اب فیصلہ آپ کریں کہ جانب داری کے اس دور میں اور خبر کے معیار پر پورا کون اتر رہا ہے۔

روداد زندگی / تیمور بیگ

ہر فلسطینی کی کہانی، یاسمین المصری کی زبانی

یہ شمالی غزہ کی کہانی ہے۔ زیادہ پرانی نہیں، 18 نومبر 2024ء کچھ پرانا نہیں ہے۔ جس پر بیت گئی، قیامت ہی تو تھی جو گزر گئی۔ یاسمین المصری کو اس کے شوہر سے جدا کر دیا گیا۔ چھ ہفتے سے وہ اس کیفیت الم میں گرفتار ہے۔ اس کے شوہر احمد کو صہیونی فوجیوں نے گن پوائنٹ پر اس سے جدا کر دیا تھا۔ شمالی غزہ پر ان درندہ نما فوجیوں نے ریڈ کیا تھا۔ یاسمین المصری کا گھر بارود بنا دیا گیا تھا۔ وہ سڑک پر کھڑی دیکھ رہی تھی۔ اس کا شوہر احمد بار بار مڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے نہیں معلوم کہ وہ اسے کہاں لے گئے تھے۔

جب حملے کا آغاز ہوا تو اکتوبر کی پانچ تاریخ تھی۔ شدید بمباری جاری تھی۔ یاسمین نے سات ماہ کے بیٹے عمر کو سختی سے اپنے سینے سے چمٹا رکھا تھا، گویا وہ خود جان سے جاتی ہے تو جائے، ننھا عمر کہیں نہ جائے۔ اس نے صحافیوں کو بتایا کہ وہ قیامت کے دن تھے یا پھر قیامت ہی تھی۔

احمد اور یاسمین دو دن بمباری کے باوجود اپنے گھر کے ایک کونے میں دبکے رہے۔ وہ بیت حنون میں تھے۔ پھر انہوں نے ٹینکوں کی آوازیں سنیں۔ وہ اس کی گلی میں داخل ہو رہے تھے۔ تڑتڑاہٹ کے ساتھ ٹینک کے گولے اردگرد پھٹ رہے تھے۔

پھر ڈرون ادھر ادھر لاؤڈ سپیکرز پر اعلان کرتے نظر آئے:

”سب لوگ جنوب کی سمت چلیں۔ شمال خالی کر دیں، ورنہ خالی کرا لیا جائے گا۔“

باہر گلی میں صہیونی فوج دونوں اطراف کھڑی تھی۔ سب کو جنوب کی سمت جانے کا حکم ملا تھا، عورتوں اور بچوں کو حکم دیا جا رہا تھا کہ مردوں سے الگ ہو جائیں۔ گلی کے ایک کونے پر انہیں اور دوسرے کونے پر مردوں کو چلتے رہنے کا کہا جا رہا تھا۔ وہ ہر خاندان کو ان کے مردوں سے الگ کر رہے تھے۔ شوہر، والد، بیٹے اور بھائی دوسری قطار میں تھے۔

احمد دوسری طرف تھا اور یاسمین اپنے گھر والی سمت میں تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ یاسمین چیخ رہی تھی: ”عمر کا خیال کرو احمد، عمر کا خیال کرو۔“ احمد آنسوں بھری آنکھوں سے عمر کو بار بار چومتا اور یاسمین سے کہتا: ”اپنا خیال کرو، اپنا خیال کرو۔“ وہ بار بار عمر کو دیکھتی اور کہتی: ”میرا عمر میری نگاہوں کے سامنے مر رہا ہے اور میں بے بس ہوں، کچھ نہیں کر سکتی۔“

وہ ماں تھی۔ وہ مسلسل 10 کلومیٹر چلتی رہی۔ اسے یونہی

چلنا تھا۔ دوسری خواتین بھی چل رہی تھیں۔ سورج کی تمازت بلا کی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ سوا نیزے سے بھی نیچے آ گیا ہے۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ عمر بھوکا ہے، عمر پیاسا ہے، نہ پانی میسر ہے، نہ دودھ۔ خود یاسمین اور احمد کے لیے کھانا اور پانی دونوں ہی عنقا تھے۔ انہیں گھر سے کچھ بھی اٹھانے نہیں دیا گیا تھا۔

احمد نے اسے بتایا کہ عمر اس کے ہاتھوں سے پھسلتا جا رہا ہے۔ پھر انہوں نے عمر کو احمد سے زبردستی چھین کر یاسمین کے حوالے کر دیا۔ صہیونی فوج سب کو خوف زدہ کرنے کے لیے ان کی گنیں بار بار ان کی طرف سیدھی کرتے اور کبھی اردگرد کے گھروں پر گولے داغ بھی دیتے۔ ان کے لیے یہ سب شغل تھا۔ وہ بری طرح قہقہے لگاتے۔ فحش باتیں کرتے، عورتوں کو ذلیل کرتے۔

یاسمین المصری دوسری خواتین کے ہمراہ واحد پناہ گاہ تک پہنچیں۔ وہ اقوام متحدہ کے ادارے انروا (UNRWA) کا سکول تھا۔ وہاں بہت بڑی تعداد میں فلسطینی خاندان جانوروں کے ریوڑوں کی طرح بھرے ہوئے تھے۔ یہ سب شمالی غزہ سے لائے گئے تھے۔

ننھا عمر جنگ کے دنوں ہی پیدا ہوا تھا۔ اب وہ ایسے بحران میں تھا جہاں جنگ اور تباہی تھی۔ یاسمین کے گھر کی دیواروں میں دو بڑے بڑے سوراخ بن گئے تھے۔ سائیڈ والا کمرہ محفوظ رہ گیا تھا۔ اس کی دیواروں پر صہیونی فوجیوں نے ان گنتے سوراخ کر دیے تھے۔ کہیں ہلکی مشین گن کے اور کہیں دوسرے ہتھیاروں سے اگلے والے بارود نے چھوٹے بڑے دائرے بنا دیے تھے۔

عمر کو آکسیجن چاہیے تھی لیکن ساری فضا میں بارود کی بو بھری تھی۔ وہ مسلسل کھانس رہا تھا۔ کئی بار قے کر چکا تھا۔ اسے دل کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔ احمد چلّا رہا تھا، ''دیکھو، اس کی جلد پیلی پڑ گئی ہے۔''

وہ اسے اپنا دودھ بھی پلا نہیں سکتی تھی۔ اس کے پاس پاؤڈر ملک خریدنے کے پیسے بھی نہیں تھے۔ مجھے جوں ہی کہیں سے کچھ خیرات ملے گی، میں عمر کے لیے دودھ خریدوں گی۔'' وہ احمد کو بتا رہی تھی۔

پھر عمر کی خراب حالت دیکھ کر انروا (UNEWA) کے رضا کاروں نے اسے الاھلی ہسپتال منتقل کر دیا۔ اسے وہاں آکسیجن نہ مل سکی۔ نرسیں اور دوسرا سٹاف کہہ رہا تھا کہ عمر سے زیادہ خراب حالت کے مریضوں کا حق پہلا ہے۔ وہ کہتی رہ گئی کہ میرا عمر میری نگاہوں کے سامنے میری ہی گود میں مر رہا ہے اور میں بے بس ہوں۔

ہسپتال کے باہر صہیونی فوجی جسے چاہتے، مار کر پھینک رہے تھے۔ شمالی غزہ میں مقتل بنا دیا گیا تھا۔ آدھے مرے، آدھے زندہ ہسپتال لائے جا رہے تھے۔ کسی کی ٹانگ کٹ جاتی تو کسی کی زندگی کی ڈور کٹ جاتی۔ حماس کو بار بار منظم ہونے سے روکنے کے بہانے قتل عام جاری تھا۔

دیکھنے والے دیکھ رہے تھے کہ فلسطینیوں کو ختم کیا جا رہا ہے، انہیں ایسی جنگ کا سامنا ہے جو زندگی چھین رہی ہے، ان سے زمین چھینی جا رہی ہے، انہیں ختم کیا جا رہا ہے۔ اس کا آغاز شمالی غزہ خالی کرانے کی مہم سے کیا جا رہا ہے۔

اھلی ہسپتال میں بہت بڑی تعداد میں عمر لائے گئے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی ماؤں نے ان کے دوسرے نام بھی رکھے ہوں، یہاں وہ سب عمر تھے۔ چند ماہ کے، سال بھر کے، دو سال، تین سال کے ہوں گے۔ پھر بڑے تھے۔ احمد تھے اور بہت زیادہ تھے۔

فلسطین کے شہری دفاع کے ترجمان محمد باصل نے بتایا کہ شمالی غزہ سے زخمیوں کو نکالنے اور بچانے سے صہیونی فوج روک رہی ہے۔ ان کے رضا کاروں سے گاڑیاں چھین لی گئی تھیں۔ وہ گدھا گاڑیاں استعمال کرنے پر مجبور تھے۔ فوج شہری دفاع کے نو ارکان کو اغوا کر کے لے گئی تھی۔ باقی رہ جانے والوں کو مجبور کیا جا رہا تھا کہ وسطی غزہ کی طرف نکل جائیں۔

پھر شمالی غزہ میں وہ وقت آ گیا کہ ایک لاکھ سے زیادہ فلسطینی امداد کے منتظر ہیں۔ نہ خوراک ہے، نہ پانی اور نہ ہی کوئی ادویات یاسمین المصری کو احمد سے جدا کر دیا گیا ہے۔ وہ ننھے عمر کو سینے سے چمٹائے اب وسطی غزہ کی سڑکوں پر بیٹھی ہے۔ نجانے کب موت آئے اور وہ مر جائے۔

ماہر الشرافاء فٹ بال کھیلنا چاہتا تھا!

17اکتوبر 2024ء کی رات ایمان صالحہ کے پڑوس میں زوردار دھماکہ ہوا۔ یہ بوبی ٹریپ روبوٹ تھا جو اچانک پھٹا تھا۔

ایمان صالحہ کا کہنا ہے کہ میں اپنے بچوں کو ساتھ چمٹائے ہوئے تھی۔ میرے لبوں پر دعا تھی: ''یا اللہ رحم، یا اللہ خیر!''

وہ سب زخمی تھے لیکن زندہ تھے۔ وہ سب ننگے پاؤں وہاں سے نکلے تھے۔ جسموں سے خون جاری تھا۔ وہ سب اپنے پڑوس والے مکان گئے تھے۔ صبح ہوئی تو وہ العودہ ہسپتال جا پہنچے۔

صالحہ نے ڈرونز کی آوازیں ہسپتال پہنچتے بھی سنی تھیں۔ لوگوں کو کہا جا رہا تھا: شمال خالی کردو، جنوب کی سمت نکل جاؤ۔ یہی چیزیں، ایسی ہی باتیں یاسمین المصری نے بھی سنی تھیں۔ پھر صالحہ نے دیکھا کہ ان کے لڑکوں اور باپوں اور خاوندوں کو گن پوائنٹ پر ان سے الگ کیا جانے لگا۔

''میں اور دوسری خواتین اپنے خاوندوں، عورتوں اور لڑکوں کے ساتھ رہنا چاہتی تھیں۔ ان سے سوال و جواب ہو رہے تھے۔ ایک فوجی نے ہمارے قریب فائر کھول دیا۔ وہ ٹینک کے اوپر بیٹھا تھا۔ وہ بار بار کہہ رہا تھا: ''چلو، چلو، ورنہ میں تمہیں بھون دوں گا۔''

لوگوں نے آگے جنوب کی طرف بڑھتے رہنے کے لیے اپنے سامان پھینک دیے تھے۔ سڑکوں پر دور تک سینکڑوں ٹینک کھڑے تھے۔ وہ لوگوں کو خوف زدہ کر رہے تھے۔

غزہ سٹی میں بڑی تعداد میں فلسطینیوں سے کہا جا رہا تھا کہ وہ اسرائیل کے زمینی حملے سے بچاؤ کے لیے جنوب کی طرف چلتے رہیں۔ جو رکے گا، گولیوں سے چھلنی کر دیا جائے گا۔ فضائی حملہ بھی تواتر سے جاری تھا۔ اردگرد عمارتیں پھٹ رہی تھیں۔ گویا کہ عمارتوں کے بجائے بڑے بھاری بم ہوں جو پھٹ رہے ہوں۔

گیارہ سالہ ماہر الشرافاء آٹھ سالہ بھائی کرم کے ہمراہ گھر کی راہداری میں فٹ بال کھیل رہا تھا کہ ایک گولی سے اس کے معصوم سر کو نشانہ لیا گیا۔ یہ شہر کے التحفہ علاقے کا گھر تھا۔ ایک کواڈ کاپٹر نے حملہ کر دیا تھا۔ گولی ماہر کے سر کو چیرتی نکل گئی تھی۔ وہ شدید زخمی ہو گیا تھا۔

''ماہر ایک خوب صورت بچہ تھا۔ بے ضرر، کیا قصور تھا اس کا؟'' وہ چند لمحوں میں شہید ہو گیا تھا۔ وہ محض فٹ بال کھیل رہا تھا۔ اس کے خواب اب اس کے ساتھ ہی دفن ہو گئے ہیں۔

ماہر کے چچا وسیم الشرفاء نے بتایا کہ فائر کی آواز سن کر ہم سب راہداری کی طرف بھاگے۔ کرم چیخ رہا تھا۔ ''ماہر زمین پر گرا ہے، اس کا بہت سا خون بہہ گیا ہے۔''

غزہ سٹی کی سڑکیں ٹوٹ پھوٹ چکی ہیں۔ ایمبولینس مشکل سے چلتی ہے۔ وسیم نے ماہر کو بازوؤں میں اٹھا لیا۔ وہ پیدل ہی الاھلی ہسپتال کی سمت ماہر کو لے کر بھاگے۔ کوئی دو کلومیٹر کا فاصلہ ہو گا کہ وسیم تھک کر جلد ہی رک گئے۔ پھر ایک پڑوسی پکارا: ''بچہ جا رہا ہے، ختم ہو رہا ہے۔'' پھر پاس سے گزرنے والے سکوٹر نے ماہر کو لے لیا اور انہیں راستے میں ہی ایک گزرتی ایمبولینس نے اٹھا لیا۔

گولی ماہر کے سر کو چیرتی نکل گئی تھی۔ اسے فوری سرجری کی ضرورت تھی۔ ہسپتال میں کوئی نیورو سرجن موجود نہیں تھا۔ وسائل کم تھے۔ میڈیکل سٹاف بھی پورا نہ تھا۔ بہت سوں کو اسرائیل نے مار دیا تھا بہت سے ڈاکٹروں کو گرفتار کر لیا تھا۔

جب تک ماہر ہسپتال پہنچتا، بہت دیر ہو چکی تھی۔

انہوں نے اس کے سر پر گاز رکھا اور خون دیا جانے لگا۔ لیکن صبح سے پہلے ہی اس کے زخم نے زندگی سے کہہ دیا تھا۔

تجھے اے زندگی! تجھے میں لاؤں کہاں سے

ایک اسرائیلی ڈرون نے ماہر کی جان لے لی تھی۔ ایک کھیلتے بچے کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا تھا۔ ماہر کی موت اس کے خاندان کو بے طرح غم زدہ کر گئی تھی۔ وہ دادا اور دادی کا پہلا پوتا تھا۔ وہ فٹ بالر بننا چاہتا تھا، شہید بن گیا۔

اس کا والد اب تک گہرے صدمے میں ہے۔ اسے چلنے کے لیے اب سہارے کی ضرورت پڑتی ہے۔

ماہر کے ایک اور چچا محمود الشرفاء کا کہنا ہے: ''نہیں اب بھی یقین نہیں آتا کہ وہ چلا گیا ہے۔'' محمود نے کرم سے کہا جس نے ماہر کو جاتے دیکھا تھا: ''تم کیوں چلے گئے اور ہمیں چھوڑ گئے؟ ہمیں بھی کیوں نہ لے گئے؟ کرم محمود کی چھاتی سے چمٹا ماہر کو یاد کرتا ہے اور بلک بلک کے رو دیتا ہے۔ ''ماہر تمہاری شاٹ تھی، انہوں نے تجھے کیوں شوٹ کر دیا؟''

ماہر تو فٹ بال کا دیوانہ تھا، جذباتی تھا۔ وہ ایک بڑا کھلاڑی بننا چاہتا تھا۔ ہر فلسطینی جوان ہوتا لڑکا، فٹ بالر بننا چاہتا ہے۔ ماہر نے 15 شیکل جمع کر لیے تھے، وہ 45 شیکل جمع کر کے فٹ بال خریدنا چاہتا تھا۔ ''میں نے اس کے لیے فٹ بال لے لیا تھا، اب کون اس سے کھیلے گا؟'' چچا اپنے نہ رکنے والے آنسوؤں سے لڑتا ہوا کہہ رہا تھا۔

محمود نے بتایا کہ ان کا گھر اس راستے سے ہٹ کر تھا جہاں والوں کو کہا جا رہا تھا کہ راستہ خالی کر دو، جنوب کی سمت چلے جاؤ۔'' پھر کیوں انہوں نے ماہر پر فائر کھول دیا۔

اہل خانہ نے ماہر کو گھر کے آنگن میں ہی دفن کر دیا۔ فضائی حملے جاری تھے اور گلیاں بھی گولیوں کو ہی راستہ دے رہی تھیں۔ جنازے اٹھانے ممکن نہیں تھے۔

''ماہر تو معصوم تھا، سہانا بچہ تھا۔ اسے کیوں مار دیا؟'' وسیم بار بار ہاتھ ملتا جیسے کہہ رہا ہو، درندے انہیں ہی کہتے ہیں۔ وہ نہیں دیکھ سکے کہ وہ تو فٹ بال کھیلنا چاہتا تھا، فٹ بال کھیلنا چاہتا تھا!

رپورٹ / عبدالرحمٰن السدیس

یک قالب، دوجان: فلسطین اور پاکستان

الحمراء لاہور میں داستانِ فلسطین، عزم و یقین کا عہد و پیمان

فلسطین اور فلسطینیوں کے ساتھ اہل پاکستان کا دوہرا رشتہ ہے۔ ایک طرف یہ فلسطین کی سرزمین پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر معراج کی رہگزر ہے اور مسلمانوں کے قبلہ اول کی امین ہونے کے ساتھ ساتھ امام الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امامت کی گواہ ہے۔ اس ناطے فلسطین اور فلسطینی اہل پاکستان کے لیے ہمیشہ محبت و احترام کے حامل رہے ہیں۔

دوسرا اہم رشتہ پاکستان کے بانیان کے زمانے سے چلا آرہا ہے جو قیام پاکستان سے بھی پہلے پاکستانی قوم کا قبلہ درست کر گئے تھے کہ ہمیں فلسطین و اہل فلسطین کے لیے کیسے سوچنا اور کیا مؤقف اپنانا ہے جبکہ ناجائز اسرائیلی ریاست کے بارے میں کیا مؤقف قائم رکھنا ہے اور اس مؤقف پر کس طرح مستقیم رہنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل پاکستان کے دل ہمیشہ اہل فلسطین کے ساتھ دھڑکتے رہے ہیں۔ اسی محبت بھرے دل کی دھڑکن ماہ دسمبر میں شہر لاہور میں اس وقت خوب محسوس ہوئی جب لاہور کا الحمرا ہال تین دن کے لیے ''داستان فلسطین'' کے لیے ایک داستان سرائے کی شکل اختیار کیے رہا۔ ان تین دنوں میں لاہور کے ہر طبقے کے لوگ، بچے، نوجوان، بڑے بوڑھے، خواتین اور مرد سب جوق در جوق آتے رہے۔ فلسطینی داستان سنتے رہے سر دھنتے رہے۔ گویا پورے لاہور کو ''داستان فلسطین'' کے عنوان نے اپنے اندر سمولیا تھا۔

یہ کہانی عزم کی بھی تھی اور عزیمت کی بھی۔ یہ داستان ایمان کی بھی تھی اور قربانی کی بھی۔ یہ مہاجرت اور شہادت کے عظیم فلسفے کی وہی کہانی تھی جو شروع سے اہل ایمان کا اسلوب زندگی رہی ہے۔ پہچان، آن بان اور شان رہی ہے۔ فلسطینی عوام اور ان کے نوخیز بچوں سے لے کر بیٹیاں اور مائیں، بہنیں سب اپنی جانیں قربان کر کے نئے سرے سے داستان لکھ رہی ہیں۔ ان کے اردگرد ان کے برادران اسلام بدقسمتی سے برادران یوسف بن کر ان کے غزہ میں تڑپنے پھڑکنے کا تماشا کر رہے ہیں۔

الحمرا آرٹس کونسل لاہور میں 20، 21 اور 22 دسمبر 2024 کو فرینڈز آف فلسطین کے زیر اہتمام اس ''داستان فلسطین'' کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ تاکہ لاہور کے اہل دل اور اہل درد فلسطینیوں کے ساتھ اپنے دلوں کی دھڑکن ملاسکیں۔ ان کی آواز کے ساتھ اپنی آواز ملاسکیں اور ان کے بہائے جانے والے خون کی کسوٹی پر اپنے ایمان کی حالت اور قوت وحمیت کا اندازہ کر سکیں۔ ان تین دنوں کے دوران اہل لاہور نے الحمرا ہال میں فلسطینیوں کی جھلک دیکھنے اور آواز سننے کے لیے ایسا تانتا باندھا کہ جوق در جوق آتے رہے۔ الحمرا ہال کی ساری وسعتیں محدود محسوس ہوتی رہیں۔ فلسطین کے سٹال پر اہل لاہور

الحمرا لاہور میں منعقدہ فلسطین پوڈ کاسٹ میں (دائیں جانب سے) حسن بلال ہاشمی، علامہ جواد نقوی، علامہ ابتسام الٰہی ظہیر، اوریا مقبول جان اور میزبان امان اللہ طارق

ایک جم غفیر کی صورت موجود رہے۔
الحمرا آرٹس کونسل میں ''داستان فلسطین'' کے کئی رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ ایک گوشے میں ''فوٹو واک'' کے نام پر تصویری نمائش تھی جو اہل لاہور کو اپنی طرف کشاں کشاں لا رہی تھی تو دوسرا گوشہ ''فلسطین پنچایت'' کے نام پر پنجاب کی پریا پنچایت کی روایت کا فلسطینی جہد و سعی اور قربانی و شہادت کے حقائق پر مبنی حکایت سے جوڑ رہی تھی۔
ایک طرف ''پوڈ کاسٹ'' میں قوم کے قومی سطح کے دانشور، علما، رہنما اور اپنے استدال سے فلسطینی کاز کو اجاگر کرتے ہوئے اہل پاکستان اور امہ کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف مائل کر رہے تھے۔ لاہور کی اہم جامعات کے طلبہ کی شرکت اور موجودگی مقابلے اور مسابقت کے جذبے کے رنگ لیے ہوئے تھی۔ ہاں ان سب رنگوں پر قبلہ اول مسجد اقصیٰ، فلسطین، اہل فلسطینی کی محبت کا رنگ غالب تھا جبکہ فلسطین کی داستان کا لہو رنگ ان سب پر نمایاں تھا۔
فلسطین کی تاریخ، جغرافیہ، ثقافت، جدوجہد، مہاجرت، ہمت، جرات، مزاحمت، قیادت، استقامت، قربانی، حب الوطنی، مسجد اقصیٰ، بیت المقدس، سب کچھ کا تذکرہ تھا۔ سب کی جھلک تھی، سب کا عکس تھا، سب کا پرتو تھا۔ اسی لیے تو ان سہ روزہ تقریبات کا عنوان ''داستان فلسطین'' تھا۔

قائدین ہیں جن کی استقامت بھری زندگیاں تمام مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔
اوریا مقبول جان نے اس موقع پر فلسطین کے حق میں پاکستان کے تاریخی کردار کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ اب بھی حکومت کے پاس یہ موقع موجود ہے کہ وہ خود کو قائداعظم و علامہ اقبال کے فلسطین کے بارے میں فکر و فلسفے اور اصولی مؤقف سے دور نہ لے جائے۔ نیز پاکستان کی شروع دن سی جاری خارجہ پالیسی کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے عالمی سطح پر مقدمہ فلسطین بہترین انداز سے لڑے۔
اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم اعلیٰ سید حسن بلال ہاشمی نے اس موقع پر کہا کہ پاکستان کی یوتھ فلسطین کے معاملے پر کامل یکسو اور کلی طور پر متحد ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ پاکستان بھر کی جامعات اور کالجز میں فلسطینیوں کی جرات و استقامت کو اپنے لیے مشعل راہ سمجھتے ہیں۔ نیز پاکستانی طلبہ و طالبات دنیا بھر سے زیادہ بھرپور آواز فلسطینی عوام کے لیے اٹھائیں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ قابض و جابر صہیونی جلد جان جائیں گے کہ پاکستانی جامعات و کالجز میں کئی یحییٰ سنوار کے کارکن فلسطین کی آزادی کے لیے ہر ممکن اقدامات کریں گے۔ نیز فلسطینی عوام کی آواز ہر گلی کوچے سے اٹھے گی۔
پنجاب کی روایت کے عین مطابق اس پنچایت میں لاہور سے تعلق رکھنے والے زعما کو

معروف شعراء سید سلیمان گیلانی، مرلی چوہان اور طاہر شہیر کا فلسطین تصویری نمائش کے دورے کے بعد گروپ فوٹو

فلسطین کی تصویری نمائش میں تاریخ اور ثقافت، قبضہ اور نسل کشی، مزاحمت اور استقامت نیز پاکستانی عوام کے کرنے کے کاموں پر تفصیل سے تصاویر اور ڈاکیومنٹریز آویزاں کی گئیں۔
فلسطین پوڈ کاسٹ میں مہمانان نے پاکستانی عوام و خواص فلسطین کے لیے کیا کام کر سکتے ہیں کہ عنوان پر گفتگو کی۔ علامہ ابتسام الٰہی ظہیر اور علامہ جواد نقوی کا اس موقع پر کہنا تھا کہ یہ ایسا معاملہ ہے جس پر اہلسنت و اہل تشیع کی تفریق کے بجائے اتحاد ہی میں حل موجود ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ سید حسن نصراللہ ہوں یا اسماعیل ھنیہ و یحییٰ سنوار یہ سب ہمارے

''داستان فلسطین'' میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ فلسطینیوں کو آج استعمار کے سامنے استقامت کا مظاہرہ کرنے اور بہادری و جرات کی وجہ سے اس پنچایت کا سرپنچ مقرر کیا گیا۔ لہٰذا ڈائریکٹر جنرل فرینڈز آف فلسطین بلال الاسطل کے سر پر پنجاب کی روایتی پگڑی رکھی گئی۔
زعما نے فلسطینیوں کی امداد کے حوالے سے اپنی آراء پیش کیں اور اختتام پر فلسطین پنچایت کی قرارداد پیش کی گئی جسے تمام زعما نے اتفاق رائے سے منظور کیا۔

قرارداد فلسطین پنچایت (بتاریخ 22 دسمبر 2024ء، منعقدہ لاہور)

ہم، پاکستانی عوام کے تمام طبقات کے نمائندے، فلسطین میں بنیادی انسانی حقوق کے خلاف صیہونی قبضے کی جاری نسل کشی کی مذمت کے لیے یکجا کھڑے ہیں۔ ہم ایک آزاد، خودمختار اور فلسطینی ریاست کے قیام کا مطالبہ کرتے ہیں، جس کا دارالحکومت بیت المقدس ہو۔

1. ہم اس فلسطین پنچایت کے شرکاء یہ عہد کر رہے ہیں کہ ہم فلسطین کے کاز کے ساتھ کھڑے ہیں اور اپنے قائد و اقبال کے خیالات، فکر اور واضح طور پر بیان کردہ مؤقف کی روشنی میں ہمیشہ ان کا ساتھ دیتے رہیں گے۔ فلسطین کی آزادی اور آزاد ریاست کے لیے اسی مؤقف کو اختیار کیے رکھیں گے جو بانی پاکستان اور مصور پاکستان نے اختیار کیے رکھا اور ہمارے اسرائیلی ناجائز ریاست کے بارے میں بھی ہمیشہ وہی خیالات رہیں گے جو بانی پاکستان اور مصور پاکستان علیہ الرحمہ اور ان کے بعد شروع دن سے پاکستان کے رہے ہیں اور یہ کہ ہم اسی مؤقف کو جاری رکھنے کی کوشش اور فلسطینیوں کی حمایت اور فلسطین ایشو کو اپنی زندگیوں کے ہر اہم موقع پر اپنے قول و فعل اور عزم و عمل کا حصہ بنائے رکھیں گے اور کبھی اس موضوع کو قومی منظر نامے اور پاکستانیوں کے ذہنوں سے محو نہیں ہونے دیں گے کہ یہ ہماری حمیتِ دینی کا تقاضا ہے۔
2. ہم فلسطینی کاز کو تقویت دینے کے لیے اور اپنی حد تک اس کے لیے کچھ کرنے کے جذبے سے اسرائیلی اور امریکی حمایت یافتہ تمام کمپنیوں اور ان کی مصنوعات کا بائیکاٹ جاری رکھیں گے اور اس سلسلے میں ہونے والی ہر کوشش و کاوش کو مزید مؤثر بنائیں گے۔ تاکہ دنیا کے دیگر ملکوں کی طرح پاکستان کے عوام بھی اسرائیل اور اس کے سرپرستوں کا بائیکاٹ جاری رکھیں اور یہ کہ ہم ان پاکستانی نوجوانوں، بچوں، بچیوں اور خواتین کو بطور خاص مبارکباد دیتے ہیں اور ان کی تحسین کرتے ہیں جنھوں نے مسلسل اس بائیکاٹ مہم کو جاری رکھا ہوا ہے اور اس بائیکاٹ مہم کا دائرہ پھیلا رہے ہیں۔
3. ہم ان تمام اہم شخصیات، سیاسی قیادتوں، اداروں، سرگرمیوں اور تنظیموں کی مذمت اور مخالفت کرتے ہیں جن کی فلسطینیوں کے بارے میں زبانیں گنگ ہیں اور جن کے اقدامات سے فلسطینیوں کے مفادات اور کاز پر زد پڑتی ہے اور یہ کہ جن کی ترجیحات، فیصلوں اور اقدامات سے اسرائیل اور اس کے سرپرستوں کو تقویت ملتی ہے۔ ہم ان مذکورہ بالا تمام شخصیات، قیادتوں اور فورمز کی اس وقت تک مذمت جاری رکھیں گے جب تک ان کی سوچ اور رویے میں فلسطینیوں کے حق میں واضح تبدیلی نظر نہیں آتی اور یہ کہ ہم توقع رکھتے ہیں کہ یہ اپنے اس فلسطین دشمن رویے سے ہمیں اپنا بائیکاٹ کرنے پر مجبور نہیں کر دیں گے۔ کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ ان کی اس حالت اور رویے کی وجہ سے ہم پاکستانیوں اور پاکستان کی بدنامی ہوتی ہے کہ پاکستانی بے حسی کا شکار ہیں۔
4. ہم ظلم و جبر کے خلاف اور اپنے حقوق کے لیے قربانیاں دینے والی فلسطینی مزاحمتی تحریکوں کو دل و جان سے اپنی سوچ، فکر اور ارادوں کا ہراول دستہ سمجھتے ہیں اور یہ کہ ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ان کی حمایت و مدد کی ہر ممکنہ صورت کو اختیار کرتے ہوئے اپنے آپ کو زندہ، باشعور، باکردار اور دینی شعار کے ساتھ جوڑے رکھیں گے اور یہ کہ ہم کوئی ایسا کام نہیں کریں گے جس سے فلسطین کی آزادی کے لیے کوشاں ان مزاحمتی تحریکوں کے مؤقف کی کمزوری کی صورت پیدا ہوتی ہو اور یہ کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہر آنے والے لمحے میں ہماری ان کے لیے حمایت و کوشش اضافے کی متقاضی ہے۔ تاکہ درپیش چیلنجوں میں وہ اپنے آپ کو تنہا نہ سمجھیں اور ان کی اب تک کی جہد و قربانی رائیگاں نہ چلی جائے۔
5. ہم غزہ میں جنگ اور محاصرہ زدہ اپنے لاکھوں بے گھر فلسطینی بھائیوں اور بہنوں کے لیے اور خصوصاً ان بچوں کے لیے جو سردی کی اس انتہائی لہر کے دوران بھی چھت سے محروم، بے یار و مددگار پناہ گزین کیمپوں میں پڑے ہیں، ہم ان سب فلسطینیوں کے لیے انسانی بنیادوں پر اپنی ذمہ داریوں کو پہچانتے ہوئے یہ کوشش کریں گے کہ ان کے لیے امداد اور خوراک و ادویات کی فراہمی میں مؤثر کردار ادا کر سکیں۔ خود اس جانب متوجہ رہیں اور دوسروں کو متوجہ کرتے رہیں اور ایسے ہر فورم کی کال پر پوری توجہ اور یکسوئی سے لبیک کہیں جو فلسطینیوں کے لیے اس مشکل گھڑی میں متحرک اور فعال ہیں۔ ہم یقین دلاتے ہیں کہ ایسے ہر پلیٹ فارم کے لیے اپنے آپ کو رضا کار کے طور پر پیش کرتے رہیں گے۔ تاکہ فلسطینیوں کو پانی، خوراک، ادویات اور پہننے کے لیے موسم کے مطابق کپڑے اور دیگر اشیائے ضروریہ کی فراہمی میں اپنا حصہ ڈال سکیں۔
6. ہم فلسطین پنچایت کے شرکاء اپنے اس عزم کا بھی اعادہ کرتے ہیں کہ ہم اپنی توانائیوں اور ابلاغ کی قوت و صلاحیت کو سوشل میڈیا کے ذریعے فلسطینیوں کی حمایت اور کاز کے ساتھ جوڑیں رکھیں گے اور سوشل میڈیا کے ذریعے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے جو ہمارے اور دنیا بھر میں میڈیا کے ادارے اپنی پالیسیوں اور ترجیحات یا مجبوریوں کی وجہ سے فلسطین اور ان کے کاز کو نظر انداز کیے ہوئے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ سوشل میڈیا پر اگرچہ بعض ایسی قدغنیں موجود ہیں۔ تاہم ہم اس کا توڑ کرنے کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہیں گے اور ان پلیٹ فارمز سے مدد چاہیں گے جو سوشل میڈیا کے فلسطین کے لیے بہتر استعمال میں ہماری رہنمائی کر سکیں گے۔ تاکہ لفظوں، استدلال اور بیانیے کی یہ مہم ڈیجیٹل انتفاضہ کی صورت میں دنیا بھر کے انصاف پسند عوام کی آواز بن سکے۔
7. فلسطین پنچایت کے شرکاء اس امر کی حمایت کریں گے کہ فلسطین کاز کو تعلیم اور تعلیم گاہوں کی سطح پر آگے بڑھانے کے لیے کوشاں لوگوں کی حوصلہ افزائی کی جا سکے۔ تاکہ شعور کی اس لہر کو گہرا اور ہمہ گیر کیا جا سکے۔ بلاشبہ تعلیم گاہیں ہر اچھائی اور سچائی کے لیے حمایت اور شعور کے فروغ کا اہم مرکز ہوتی ہیں۔ جیسا کہ پچھلے دنوں امریکہ و یورپ کی تعلیم گاہوں نے بھی فلسطینیوں کے لیے جاندار آواز اٹھا کر دنیا بھر کو بالعموم اور اپنی حکومتوں کو بالخصوص جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ تعلیم گاہوں کے فلسطین کاز کے لیے اس کردار

کی جتنی بھی تعریف کی جائے، کم ہے۔

8. ہم حکومت پاکستان اور وزارت خارجہ کو متوجہ کرتے ہیں کہ وہ فلسطین کاز کے لیے اپنی صلاحیتوں کو قائد و اقبال کے دیرینہ مؤقف کے تابع رکھتے ہوئے اور سیاسی جماعتوں کی حکومتی میزبانی میں حالیہ ''آل پارٹیز کانفرنس'' کے طے کردہ نکات اور ترجیحات کی بنیاد پر آگے بڑھائے اور اس سلسلے میں ''او آئی سی'' و دیگر بین الاقوامی فورمز میں اپنے کردار کو زیادہ مؤثر بنا کر سامنے آئے۔ تاکہ اہل پاکستان کے فلسطین کاز کے لیے جذبات کی صحیح ترجمانی ہو سکے۔

9. ہم حکومت سے بھی یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ فلسطین کاز کے لیے جنوبی افریقہ، ناروے، اسپین، آئرلینڈ اور دیگر ممالک کے ساتھ مل کر عالمی عدالت انصاف میں فلسطینیوں کے لیے جنگ بندی اور آزادی کے مقدمے کی زیادہ منظم اور مؤثر حمایت کرے۔ تاکہ یہ حمایت کسی اچھے نتیجے کا سبب بن سکے۔ زبانی کلامی جمع خرچ فلسطینیوں کی حمایت کے لیے ہرگز کافی نہیں۔ تاہم ہم یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کی طرف سے انسانی بنیادوں پر اپنے فلسطینی بھائیوں کے لیے امدادی سامان کی فراہمی کے لیے کی جانے والی کوششیں اور متعلقہ ادارے قابل تحسین ہیں۔ ان کوششوں اور کاوشوں کا دائرہ یقیناً وقت کے ساتھ ساتھ مزید پھیلایا جانا چاہیے۔

10. ہم فلسطین پنچایت کے شرکاء اور پاکستان کے مختلف طبقات کے نمائندہ ہونے کے ناطے یہ شعوری طور پر سمجھتے ہیں کہ فلسطین کاز ہمارے ملک میں ہر سطح پر یکجہتی و اتحاد کے فروغ کے لیے ایک بائنڈنگ فورس کے طور پر بروئے کار آ سکتا ہے اور تفرقے اور تقسیم کی حامی قوتوں کی سازشوں کا فلسطین کاز اور اس کے پرچم کے ساتھ جڑ کر مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ہر شعبے کی قیادت خصوصاً سیاسی و دینی قیادت اور مساجد کے خطباء کا کردار نمایاں ہو سکتا ہے کہ وہ فلسطین کاز کو اپنے موضوعات اور گفتگوؤں کا ہمیشہ حصہ بنائے رکھیں۔ خصوصاً علماء حضرات خطبائے جمعہ میں فلسطین کا جس طرح ذکر کرتے ہیں یہ بہت خوش آئند ہے اسے مزید بہتر بنایا جا سکتا ہے اور خطباء کی اہمیت کے پیش نظر اس کا دائرہ بھی پھیلایا جانا چاہیے۔

الحمرا لاہور میں فلسطین تصویری نمائش میں
کنول چیمہ کی حاضرین سے گفتگو کرتے ہوئے فوٹو

اس پنچایت میں تمام مسالک، تمام کاروباری مراکز، نوجوانوں کی نمائندہ تنظیموں، سیاسی و غیر سیاسی جماعتوں اور خواتین کی نمائندہ جماعتوں نے بھی شرکت کی۔

''تشنگی'' کے نام سے ''نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز'' کے اشتراک سے تھیٹر کے مقابلہ کا انعقاد کیا گیا۔ لائیو پینٹنگ، تھیٹر اور مونولاگ کے مقابلہ جات بھی تشنگی کا حصہ تھے۔ یونیورسٹی آف لاہور، یونیورسٹی آف ساؤتھ ایشیا، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، جامعہ پنجاب، فارمن کرسچن کالج یونیورسٹی اور نیشنل کالج آف آرٹس کی ٹیمز نے ان مقابلہ جات میں حصہ لیا۔ یونیورسٹی آف لاہور نے مجموعی طور پر بہترین ٹیم کا اعزاز اپنے نام کیا جو انہوں نے ڈائریکٹر جنرل فرینڈز آف فلسطین بلال الاسطل سے موصول کیا۔

''داستان فلسطین'' کے ذریعے فرینڈز آف فلسطین نے لاہور کے مختلف طبقات، مسالک اور معاشرہ کی تمام اکائیوں کو فلسطین کے لیے جمع کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ فلسطین کاز آج پاکستان بھر کے عوام اور پوری امہ کو متحد کر سکتی ہے، متحد رکھ سکتی ہے کہ فلسطین مسجد اقصیٰ ہے، قبلہ اول ہے، بیت المقدس ہے۔ زینہ معراج مصطفی ہے۔ راستہ عرش معلیٰ ہے۔ عزت ہے، عظمت ہے، جنت ہے۔

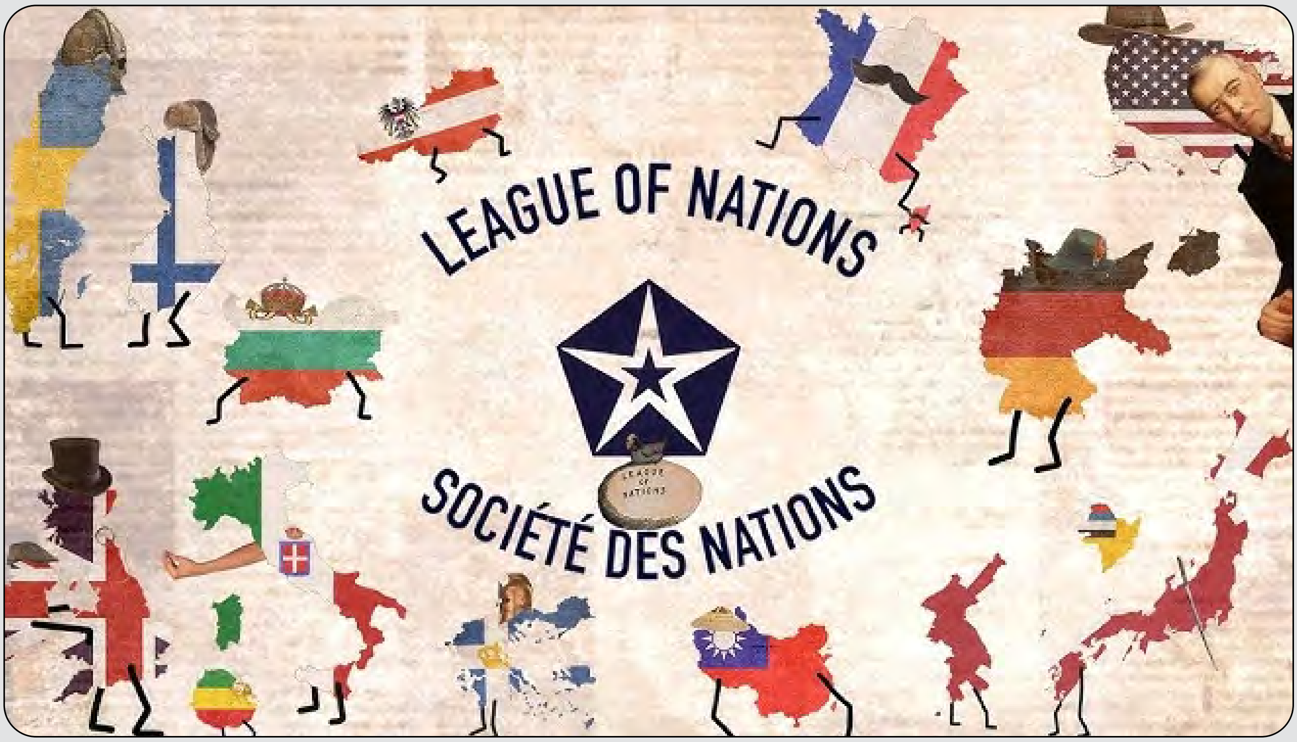

تجزیہ / ابوالعین

برطانیہ: فلسطینی شہریوں کی نسلی صفائی میں شامل

برطانیہ کو اسرائیل کا موروثی مائی باپ سمجھا جا سکتا ہے۔ لیگ آف نیشنز کے مردہ گھوڑے کو اس وقت عارضی طور پر کھڑا کیا گیا جب عرب نوآبادیات کی بندر بانٹ کا مرحلہ تھا۔ سائیکس پائیکاٹ معاہدہ اپنے مقاصد میں اس اعتبار سے ناکام رہا کہ وہ ان نوآبادیات کو جو رخ دینا چاہتا تھا لیکن خود اس وقت کے عرب قبائل کی آویزش اور سرداروں کی ہوس ملک گیری نے اس معاہدے کو دوسری طرح سے جواز بخشا۔ برطانیہ کے مینڈیٹ میں فلسطین آیا۔ یہ خیرات میں ملا سرمایہ تھا جس کو بین الاقوامی صہیونیت کا بت کھڑا کر کے اسرائیل بنوا دیا گیا۔ پہلا نکبہ مئی 1948ء میں شروع ہوا اور ہزاروں لاکھوں فلسطینی جان سے مار دیے گئے یا ان کو جبری طور پر ان کے گھروں، کاروباروں، کھیتوں اور کھلیانوں سے بے گھر کر دیا گیا۔ یوں اسرائیل کی بنیادیں کھڑی کی گئیں۔

آج کا اسرائیل ماضی کے بادشاہوں کی طرح ہوس ملک گیری کے خبط میں مبتلا ہے۔ اس کی مدد کو امریکہ و یورپ متحد ہیں۔ فلسطین کا ممکنہ سہارا عالم اسلام ہو سکتا تھا لیکن اس نے اپنے کندھے اتار دیے ہیں۔ ان پر کوئی سہارا یا سہارے کی عمارت نہیں بن سکتی۔ اٹھارہ سال غزہ کی مکمل ناکہ بندی کے بعد اب اس پر یہ سب اسرائیل کے نام سے چڑھ دوڑے ہیں۔ امریکہ، برطانیہ، فرانس تین بڑے ویٹو پاور اور جرمنی، کینیڈا، ناروے اور دیگر ممالک حواری بن کر غزہ پر اس حملے کا حصہ بنے ہوئے ہیں۔ امریکہ کھل کر اسرائیل کے آگے کھڑا ہے جب کہ برطانیہ صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں، کے مصداق خاموش کارڈ بن کر سب کچھ خاموشی سے کر رہا ہے۔ یہاں برطانیہ کی اسی حکمت عملی کے دو ایک پہلوؤں پر بات کی گئی ہے۔

گیری سپڈنگ نے 27 نومبر 2024ء کو لکھا تھا کہ یہ محض خود اختیار بے عملی کا معاملہ ہی نہیں ہے بل کہ ریاستی سطح پر طے شدہ ملی بھگت ہے۔ حکومتی وزراء کی سطح پر یہ جواب دہی کا معاملہ ہے کہ وہ وضاحت دیں کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ برطانوی حکومت توجہ ہٹانے، باقاعدہ عوام کو گمراہ کرنے اور متعلقہ امور سے نظریں چرانے کی حکمت عملی اختیار کیے ہوئے ہے۔ جب ان وزراء سے براہ راست سوال کیا جاتا ہے کہ غزہ میں انسانی خون کو پانی کی طرح کیوں بہایا جا رہا ہے تو اسے گول کر دیا جاتا ہے۔ وزراء جان بوجھ کر ابہام پیدا کرتے ہیں کہ نسلی تباہی کسے کہا جاتا ہے۔

انسانوں کا قتل عام ہو رہا ہے تو یہ کس طرح سے Genocide کیوں قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس کی نظری توجیح پیش کرنے میں وزیر اعظم سٹارمر سب سے آگے ہوتے ہیں۔ ان کی اس حکمت عملی سے اسرائیل کو موقع ملتا ہے کہ وہ غزہ کو جیسے چاہے، تباہ کرتا رہے۔ اس کی کسی بھی سطح پر جواب دہی نہیں کی جاتی۔

برطانیہ کے وزیر اعظم سٹارمر کے بیانات پر غور کیا جائے تو سیکرٹری خارجہ ڈیوڈ لیمے دونوں نہایت ہی مبہم انداز میں بات کرتے ہیں۔ دونوں ہی برطانیہ کی پالیسی بیان کرتے ہوئے فلسطینی قتل عام کی کسی بھی سطح یا درجے میں مذمت نہیں کرتے بل کہ صیہونی فوج کی پیشہ ورانہ چابک دستی کی تعریف کرتے ہیں۔ ان کے یہ بیانات بہت کھل کر بین الاقوامی قانون پامال کرتے ہیں۔ وہ بہت بری طرح سے بین الاقوامی برادری کے خلاف جاتے نظر آتے ہیں۔ حکومت کسی بھی سطح پر ایک بڑے ملک کے طور پر اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتی۔ وہ باقاعدہ طور پر Genocide کنونشن کی توثیق کرنے والے ممالک میں شامل ہیں۔ اس حیثیت میں اس پر ذمہ داریوں کو نظر انداز کرنا اسرائیل کو موقع دینا ہے کہ وہ فلسطینی خون بہتا دیکھے اور اسے عام واقعہ قرار دے کر نظر انداز کرتا رہے۔

اس وقت کی بیان کردہ برطانوی پالیسی یہ ہے کہ ابھی انتظار کیا جائے کہ جنوبی افریقہ کے عالمی فوجداری مقدمے کا حتمی فیصلہ سامنے آئے کہ غزہ میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ کسی طرح سے Genocide قرار پاتا ہے یا نہیں۔ اس فیصلے تک کوئی اقدام نہ کیا جائے۔ وزیر اعظم سٹارمر بار بار کہہ رہے ہیں کہ مجاز عدالتوں کو فیصلہ کرنے دیا جائے۔

یہ پالیسی صاف الفاظ میں انکار کرنا ہے کہ اسرائیلی مظالم کی عالمی سطح پر مذمت کی جائے۔ فلسطینیوں کے قتل عام کو عام واقعہ قرار دیا جائے تاکہ اسرائیل ان پابندیوں کی زد میں نہ آئے جو اس پر لاگو ہوسکتی ہیں۔

اس طرح عالمی قانون کو نظر انداز کرتے ہوئے برطانیہ خود اپنی جملہ ذمہ داریوں سے بچنا چاہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سارے فلسطینی ختم ہو جائیں یا ان کو اس طرح سے تباہ کر دیا جائے کہ ان کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پڑے۔

Genocide کے عالمی کنونشن کے مطابق کسی بھی مقام پر اس جرم کے ارتکاب کی سزا اس کے آرٹیکل 1 میں بیان کی گئی ہے۔ اس کنونشن کی توثیق کرنے والے ہر رکن ملک پر اس کا اطلاق ہوگا۔ ان پر لازم ہے کہ Genocide سے مراد کسی مخصوص نسل، قوم یا گروہ کا منظم خاتمہ کرنا ہے جس سے لوگوں کو مار دیا جائے یا ایسی کوشش کی جائے تاکہ وہ سیاسی، تہذیبی طور پر ختم کر دیے جائیں۔ انہیں وسیع پیمانے پر قتل کر دیا جائے، انہیں ذبح کر دیا جائے یا تباہ کر دیا جائے، ان کے تہذیبی مقامات تباہ کر دیے جائیں۔ یہ ایک عالمی جرم ہے۔

یہ کسی بھی قوم کی نسل کشی ہے۔ غزہ میں مساجد کی تباہی، تاریخی مقامات کو اڑا دینے کے جرائم، تہذیبی ورثے کی بربادی، فلسطینی لوگوں کا وسیع قتل عام، ان کا سڑکوں پر

ذبح کیا جانا، ان کی لاشوں کا جلایا جانا، یہ سب ایسے سنگین جرائم ہیں، جن کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ برطانیہ کے وزیر اعظم اپنی پارلیمان میں پالیسی بیان دے چکے ہیں کہ یہ نسل کشی نہیں ہے۔ نسل کشی کی وضاحت کنونشن میں یوں کی گئی ہے:

کسی نسل، گروہ یا قوم کے افراد کا قتل عام، فلسطینیوں کی 23 لاکھ آبادی کو بے گھر کر دیا گیا ہے، 50 ہزار سے زیادہ قتل کر دیے گئے ہیں، ایک لاکھ سے زیادہ زخمی ہیں۔

اس نسل، گروہ یا قوم کے افراد کو وسیع پیمانے پر جسمانی اذیت سے گزارا جانا، انہیں ذہنی طور پر مسلسل تکلیف میں مبتلا رکھنا۔ غزہ میں یہ عمل پوری آبادی پر مسلسل کیا جارہا ہے۔

جان بوجھ کر کسی نسل، گروہ یا قوم پر ایسے حالات مسلط کرنا جن سے وہ اپنا وجود ہی برقرار نہ رکھ سکے۔ غزہ میں وسیع پیمانے پر، مغربی کنارے اور مقبوضہ بیت المقدس میں فلسطینی شہری پر ایسے حالات مسلط کر دیے گئے ہیں۔ برطانیہ کے وزیر اعظم سٹارمر کہہ رہے ہیں کہ ایسا کچھ نہیں ہو رہا ہے۔

ایسے حالات پیدا کرنا کہ اس آبادی کے لیے پیدائشی عمل کو مشکل تر بنا دیا جائے۔ غزہ میں ہزاروں عورتیں زچگی کے نارمل عمل کو مکمل کرنے میں بھی دشواری سے گزر رہی ہیں۔

اس نسل، گروہ یا قوم کے بچوں کو کسی دوسری جگہ زبردستی منتقل کرنا۔

یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ ”نسل کشی“ کی اصطلاح سب سے پہلے دوسری جنگ عظیم کے بعد ایک یہودی قانون دان اور پولینڈ کے شہری رافیل لیمکن نے ایجاد کی تھی۔ وہ نازیوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ رہنے والوں میں شامل تھے۔ انہوں نے ایک کتاب لکھی جس کا عنوان Axis Rule in Occupied Palestine تھا۔ آج کوئی اس موضوع پر کتاب لکھے تو اس کا عنوان قدرے بدل کر یوں ہو جائے گا:

Allied Rule in Occupied Palestine

دوسری جنگ عظیم میں یہودیوں کے مبینہ قتل عام کے بعد جدید دنیا میں نسل کشی کے واقعات جنوبی افریقہ، بوسنیا، یوگوسلاویہ، روانڈا اور دارفر میں ہوئے۔ ان واقعات میں یورپی اقوام مقامی گروہوں کے ساتھ مل کر قتل عام میں شامل رہیں۔ 1995ء اور اس کے پہلے اور بعد سربرینیکا بوسنیا میں پورا شہر انتہائی بہیمیت سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اب 2024ء میں غزہ میں بدترین انسانی قتل عام کیا گیا۔ اقوام متحدہ کے ادارے انروا (UNRWA) کے سکولوں میں فلسطینی پناہ گزینوں پر یہ کہہ کر میزائل داغے گئے کہ وہاں حماس کے کمانڈ اینڈ کنٹرول سنٹر کام کر رہے تھے۔ ہسپتالوں کو بھی معاف نہیں کیا گیا اور عذر یہی تراشا گیا کہ وہاں بھی کمان اینڈ کنٹرول سنٹر کام کر رہے تھے۔ کسی جگہ سے بھی ایک ٹوٹی رائفل یا وائرلس بھی نہ مل سکے۔

جب بوسنیا میں ایسے اندوہناک واقعات رونما ہو رہے تھے تو آئرین پائیٹرو پاؤلی کی قانونی امور پر رائے سامنے آئی۔ بین الاقوامی عدالت انصاف نے بوسنیا

اور سربیا کی جنگ میں فیصلے میں کہا تھا کہ نسل کشی کو روکنے کے لیے ریاست ذمہ دار ہوتی ہے۔ عدالت نے اس بارے میں جنیوا کنونشن کے آرٹیکل (3)14 کا حوالہ دیتے ہوئے قرار دیا تھا کہ:

"اس سے ظاہری طور پر یہ مراد نہیں لیا جاسکتا کہ نسل کشی کو روکنا محض اس وقت ضروری نہیں ٹھہرتا جب ایسی تیاری کرلی گئی ہو۔ یہ ذمہ داری ہے کہ ایسے واقعات کی تیاری بھی روکی جائے۔ یہ عمل کا وقت تب ہوتا ہے۔ ریاست کو جاننا چاہیے اور لازمی طور پر اسے علم ہونا چاہیے کہ نسل کشی کا نہایت سنجیدہ مسئلہ سر اٹھانے کو ہے۔ انسانی قتل عام ہونے کو ہے۔ اس لمحے سے مستقبل کی جانب پورے وسائل دستیاب کیے جائیں اور ان تمام عوامل کے خلاف حدود متعین کی جائیں۔"

غزہ کے انسانی بحران میں دو بڑے امور سامنے آئے۔ جنوبی افریقہ نے یہ معاملہ مقدمے کی صورت میں بین الاقوامی عدالت انصاف کے روبرو اٹھایا اور جرائم کے بارے میں عالمی فوجداری عدالت نے اسرائیل کے وزیر اعظم نیتن یاہو اور سابق وزیر دفاع کے وارنٹ گرفتاری جاری کیے۔ عدالت کے پراسیکیوٹر کریم خان نے فلسطینیوں کو ختم کرنے اور ان پر زندگی تنگ کرنے کے الزامات میں عدالت سے وارنٹ گرفتاری جاری کرائے جن کے اثرات آہستہ ہی سہی، سامنے آرہے ہیں۔ اسرائیل کے جرائم صرف فلسطینیوں کے خلاف ہی نہیں بل کہ پوری انسانیت کے خلاف ہیں۔ ان جرائم میں جانتے بوجھتے آبادیوں کا قتل عام، منصوبہ بندی سے انہیں جسمانی تعذیب سے گزارنے، بھوک سے دوچار کرنے، صحت کی سہولتوں کو روکنے جیسے اقدامات شامل ہیں۔

گھناؤنی نوعیت کے ان جرائم کو روکنے کے لیے ہر ملک کی طرح برطانیہ بھی ذمہ داری ادا کرنے کا پابند تھا۔ اس کے جاسوس طیاروں نے غزہ پر بمباری کے اہم مقامات کی نشاندہی کی۔ برطانوی اسلحہ بھی غزہ میں استعمال ہوا۔ عالمی عدالت انصاف کے دوسرے حکم نامے میں جج عبد القوی یوسف نے یہ قرار دیا تھا کہ عدالت سمجھتی ہے کہ غزہ میں نسل کشی کا الارم بڑی دیر سے بج رہا ہے۔ غزہ نسل کشی کے مرحلے گزارا جارہا ہے۔

حالات کی اس ہولناکی سے کس طرح ممکن ہے کہ برطانیہ کی حکومت بے خبر ہو۔ اس کے بڑے شہروں کی سڑکوں پر اس کے اپنے عوام اپنے جذبات کا اظہار کررہے ہیں۔

انتخابی معرکہ جیت کر آنے والی لیبر پارٹی کے راہ نما کیئر سٹارمر وزیر اعظم بنے ہیں اور وہ اپنی پارلیمان میں پالیسی بیان دے رہے ہیں کہ کچھ نہیں ہو رہا ہے۔ غزہ میں نسل کشی نہیں ہو رہی ہے۔ چند ہزار فلسطینیوں کے مارے جانے کو نسل کشی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

برطانوی مصرین اس صورت حال پر کہہ رہے ہیں کہ ان کی حکومت کسی قسم کے ایسے اقدامات پر غور کرنے پر بھی تیار نہیں ہے جن سے اس انسانی قتل عام کو روکا جاسکے۔ اس کا کوئی جواز پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اسرائیل نے حماس کے 7 اکتوبر 2023ء کے حملے میں جن 1200 اسرائیلیوں کے قتل اور بچوں کے ذبح کرنے کے

جو بائیڈن کی طرف سے لگائے گئے الزامات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا تھا۔ وہ محض اس کا پروپیگنڈہ ثابت ہو چکے ہیں۔ امریکی و مغربی میڈیا کہہ رہا ہے کہ وہ غزہ پر جنگ مسلط کرنے کا ایک عذر تھا۔ برطانیہ کے علم میں ساری حقیقت ہے۔ اس کے باوجود وہ ظلم کے خاتمے کے لیے اپنی ذمہ داری ادا نہیں کر رہا ہے۔

انسانی حقوق کی عالمی و برطانوی تنظیموں نے عالمی عدالت انصاف کے روبرو ہونے والی سماعتوں اور فیصلے کے ساتھ غزہ میں پیش آنے والے المیے کی دستاویزات تیار اور پیش کی ہیں۔ ان کے مطابق غزہ کے معاملے کی اصلیت بہت ہولناک ہے اور اس کی سنجیدگی حدوں سے تجاوز کر گئی ہے۔ دوسری طرف اسرائیل کے اقدامات میں زیادہ سفاکی سامنے آرہی ہے۔ جبالیہ، بیت لاھیہ اور شمالی غزہ کے دوسرے حصوں میں انسانی زندگی کا اختتام ہو رہا ہے۔ جنگی مجرم نیتن یاہو کے کہنے کے مطابق رفاہ میں تباہی مکمل ہونے کو ہے۔ ان تمام اعترافات، واقعات اور حملوں کے باوجود امریکہ کو دہشت گردوں کی تلاش ہے۔ برطانیہ اس کی پیروی میں لگا ہوا ہے۔ یہ سانحہ غزہ سے نکل کر مغربی کنارے اور مقبوضہ بیت المقدس تک پھیل چکا ہے۔

ان حالات میں برطانوی حکومت دائیں بائیں کی باتیں کر رہی ہے۔ اسے لبنان اور شام سے خبروں کا انتظار ہے۔

حکومت نے اقوام متحدہ کے اداروں، سیکرٹری جنرل اور انسانی حقوق کی تنظیموں کی تمام تر وارننگ، رپورٹوں اور ممکنہ نئے بحرانوں کو داخل دفتر کرنے کی پالیسی اختیار کر کے اسرائیل کو تباہی مسلط کیے رکھنے کا پیغام دیا ہے۔ اس نے اقوام متحدہ کے خصوصی نمائندہ کی بار بار کی وارننگ پر کسی بھی ردعمل کا اظہار بھی نہیں کیا ہے۔ حال ہی میں اقوام متحدہ کی خصوصی کمیٹی کی رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں اسرائیل کے اقدامات اور حملوں کا جائزہ لینے کا کہا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ غزہ میں نسل کشی کا عمل بڑی تیزی سے پورا کیا جا رہا ہے۔ اس رپورٹ پر بھی کسی قسم کے تبصرے سے بھی برطانیہ نے گریز کیا ہے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ یہ بے عملی مستقبل کے نئے عالمی نظام کے خدوخال واضح کر رہی ہے۔ اس کا اہم نکتہ یہ ہے کہ مخصوص ریاستیں مخصوص واقعات پر نہ صرف اپنی ذمہ داری ادا کرنے سے خود کو الگ رکھ رہی ہیں بل کہ ان کے رونما ہونے میں اہم عامل کے طور پر سامنے آرہی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس طرز عمل اور پالیسی سے آئندہ بین الاقوامی قانون کی سرے سے موت واقع ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں انسانی بحرانوں میں کسی نوعیت کا عالمی کردار ختم ہو جائے گا۔ بڑی طاقت سمجھے جانے والے ممالک کی مرضی کا قانون چلے گا۔ کم از کم اس صدی کے نصف سے پہلے امریکی اجارہ داری کا سامنا کرنے کے لیے گوریلا طرز کی علاقائی جنگیں رواج پاسکتی ہیں۔ یہ صورت حال کئی ممالک کی باقاعدہ افواج کو نئی جنگی کیفیت میں مبتلا کر سکتی ہیں۔ جن ممالک میں مختلف علیحدگی پسند تحریکیں جنم لے رہی ہیں۔

یہ منافقت کی پالیسی ہے۔ وزیر اعظم سٹارمر نے

2014ء میں سربیا کے خلاف عالمی سطح پر دلائل دیے تھے کہ کروشیا کے خلاف اس کے اقدامات نسلی صفائی پر مبنی تھے۔ تب کے برطانوی وزیر اعظم سربیا کے حق میں تھے اور اس بات کی وکالت کر رہے تھے کہ کروشیا کے خلاف کسی نوعیت کی نسل کشی کی کارروائیاں نہیں ہو رہی تھیں۔ غزہ کے معاملے میں برطانوی پارلیمان سے خطاب میں سٹارمر نے کہا کہ وہ اچھی طرح سے آگاہ ہیں کہ نسل کشی کسے کہتے ہیں اور اسی لیے وہ کہہ رہے ہیں کہ غزہ کی صورت حال نسل کشی کی نہیں ہے، محض چند ہزار انسانوں کے مارے جانے کی ہے۔

انہی ریمارکس سے ملتے جلتے الفاظ میں سیکرٹری خارجہ ڈیوڈ لیمے نے بھی کہا کہ اسرائیل غزہ میں فلسطینی نسل کشی نہیں کر رہا۔ وہاں لاکھوں افراد تو نہیں مارے گئے۔ گویا ہزاروں میں ہیں، لاکھوں میں کیوں نہیں۔

سٹارمر جب کروشیا کے لیے بات کر رہے تھے تو وہ اس کی طرف سے وکالت کر رہے تھے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ فلسطینی انہیں وکیل کر لیں تو وہ غزہ کی صورت حال کو نسل کشی قرار دے دیں گے؟ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ بوسنیا اور کروشیا کی جنگ میں 20 ہزار افراد مارے گئے تھے، ان کی تعداد لاکھوں میں ہرگز نہیں تھی۔ غزہ میں مارے جانے والے انسانوں کی تعداد 50 ہزار سے تجاوز کر چکی ہے۔ عالمی ادارے کہہ رہے ہیں کہ عمارتوں کے ملبے تلے دبے رہ جانے والوں کی تعداد کسی طرح بھی 10 ہزار سے کم نہیں ہے جب کہ زخمی ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ سے کہیں زیادہ ہو چکی ہے۔ کروشیا کے جس شہر میں سب سے زیادہ چرچا ہوا تھا، وہ ووک اوور (Vuk Over) تھا۔ یہاں 1991ء میں 260 مردوں کو ہلاک کر دیا گیا تھا۔

غزہ کے بارے میں بات کرتے ہوئے سٹارمر نے کہا کہ ''میں سن رہا ہوں کہ وہاں نسل کشی ہو رہی ہے، آپ کو پوری صورت حال سامنے رکھنی چاہیے، ٹکڑوں میں نہیں دیکھنا چاہیے۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ صورت حال کو دیکھے اور پھر فیصلہ کرے۔ غزہ کے بارے میں اقوام متحدہ کے خصوصی نمائندہ نے کہا تھا کہ اسرائیل کے اقدامات کو تاریخی تناظر میں دیکھا جائے۔ یہ واقعات نو آبادیات کاروں اور نئے آبادکاروں کی وجہ سے ہیں جو مل کر فلسطین کے عوام کو ایک گروہ کے طور پر ختم کر رہے ہیں۔ یہ رپورٹ گزشتہ سال اکتوبر میں پیش کی گئی تھی۔ سٹارمر نے کروشیا کے حق میں بات کرتے ہوئے کہا کہ سربیا کی قیادت کروشیا کی ایک تہائی زمین پر قابض ہونا چاہتی تھی (اسرائیل پورے فلسطین کو ہی ہتھیا لینا چاہتا ہے)۔ سٹارمر نے کروشیا کے حوالے سے کہا تھا کہ سربیا کی حکومت اور یوگوسلاویہ کی آرمی مستقل طور پر اس کی آبادی ختم کرنا چاہتے ہیں۔ کیا کروشیا کی آبادی مارے جانے والے 260 لوگ ہی تھے۔ تب عالمی عدالت نے کروشیا کے حق میں فیصلہ دینے کے بجائے مقدمہ ہی ختم کر دیا تھا۔ اس کے فیصلے میں لکھا گیا تھا کہ:

''کروشیا کی آبادی کے خلاف جرائم اس مقصد کے لیے کیے گئے کہ اس کی آبادی کو بے گھر کر دیا جائے۔ اس کی جسمانی یا حیاتیاتی تباہی مقصود نہیں تھی۔''

کروشیا کے شہر ووک اوور میں سربیا کے اقدامات کو نسل کشی قرار دیا گیا۔ سٹارمر نے کہا کہ شہر ملبے کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس پر مسلسل بمباری کی گئی، منظم بے دخلی سے آبادی کو بے گھر کر دیا گیا۔ غذا روک دی گئی، پانی، بجلی، سیوریج اور صحت کی سہولتیں تباہ کر دی گئیں تھیں۔

سٹارمر اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ بوسنیا کے شہر سربرینیکا میں 8 ہزار مسلمان قتل کیے گئے تھے۔ یہ 1995ء کا واقعہ ہے، اس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اس بارے میں سٹارمر نے کہا تھا کہ یہ غیر انسانی نسل کشی تھی۔ ایسے واقعات روکنے کے لیے ہمیں جرأت اور عزم سے کام لینا ہوگا۔ ایسے واقعات ہرگز، ہرگز پھر نہیں ہونے چاہئیں۔ ماضی قریب میں سٹارمر نے یہ بھی کہا کہ عالمی عدالت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے قوانین لے کر آئے جن کے ذریعے نسل کشی کے ممکنہ شکار ہونے والوں کو تحفظ دیا جائے۔

غزہ کے بارے میں ان کی پالیسی یہی ہے کہ کوئی مجاز اتھارٹی اس صورت حال کو نسل کشی قرار دے۔ برطانوی پارلیمان کے پانچ ارکان جن میں جیریمی کاربن بھی شامل تھے، انہوں نے وزیر اعظم کو خط لکھا کہ کیا وہ غزہ کی صورت حال پر کسی موقف کے اظہار سے پہلے قانونی رائے لینا چاہیں گے؟

صرف تین سال پہلے سٹارمر نے ٹویٹر (ایکس) پر لکھا تھا کہ نسل کشی ایسی صورت حال ہے جس پر مختلف رائے نہیں دی جا سکتی۔ سٹارمر یہ بات نہیں کر سکتے کہ انہیں معلوم نہیں ہے کہ نسل کشی کسے کہتے ہیں یا اس کی تعریف کیا ہے۔ وہ ریاست کی اس حوالے سے ذمہ داری سے بھی انکار نہیں کر سکتے۔

تاہم اب وزیر اعظم حکومت برطانیہ کی حیثیت میں وہ فلسطین میں اسرائیل کی پالیسیوں اور اقدامات کو انہی اصولوں کے مطابق نسل کش اور نسل پرست ریاست کے طور پر تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ انہیں اچھی طرح سے علم ہے کہ اسرائیل کے وزیر اور جرنیل بار بار اس بات کو دہرا رہے ہیں کہ وہ فلسطینی آبادی کو مستقل طور پر جڑ سے ہی اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں اور وہ ساری فلسطینی مقبوضات کو غیر قانونی طریقوں سے صہیونی ریاست بنانا چاہتے ہیں۔

رائے سرائے/لمیس تغرید

ڈاگ کیمرہ: فلسطینیوں پر حملوں کا مہلک ہتھیار

صہیونی اسرائیل کے دارالحکومت کی تل ابیب یونیورسٹی میں غزہ میں جنگ میں حصہ لینے والوں کے لیے ''انجینئرنگ وار روم'' کام کرتا ہے۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ یہاں ایسی ٹیکنالوجیز پر کام کیا جاتا ہے جو غزہ میں نسلی صفائی یا نسل کشی (Genocide) کو زیادہ مؤثر بنانے کو صہیونی فوج کی مدد کرتی ہیں۔ اس کے لیے لائیو سٹریمنگ (Live Streaming) کے ذریعے جنگی امور کو زیادہ براہ راست انداز سے محفوظ کیا جا رہا ہے۔

اس ٹیکنالوجی کو کتوں کی مدد سے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ فوج کے سدھائے ہوئے ان کتوں کو کیمرہ سے لیس کر کے جنگی زون میں چھوڑا جاتا ہے۔ اس کے لیے فوج کا ایک یونٹ (Canine) وقف کیا گیا ہے۔ ان کا ہدف فلسطینی شہریوں کو نشانہ بنانا، ان پر حملہ آور ہونا، ان کے حملوں سے شہید ہونے والوں اور فوج کی درندگی سے جان سے ہاتھ دھو بیٹھنے والے فلسطینیوں کی فلم بنانا ہے۔

ان کا ایک اور ہدف یہ ہے کہ مسلح فلسطینی، اگر ہوں یا یہ شک پڑے کہ یہاں کسی قسم کے جنگجو ہوں گے، ان کی ویڈیوز تیار کرنا بھی ہے۔

سوشل میڈیا پر ایک ویڈیو وائرل کی جا رہی ہے۔ یہ ویڈیو تل ابیب یونیورسٹی کی تیار کردہ ہے۔ یہ ویڈیو دکھاتی ہے کہ کس طرح سے یونیورسٹی کا وار روم کام کر رہا ہے۔ اس کے ذریعے طلبہ و طالبات اور اساتذہ کو تیار کیا جا رہا ہے کہ وہ ریزرو فوج کا حصہ نہیں، عملی جنگ میں حصہ بھی لیں اور ایسی ٹیکنالوجی تیار کریں جس سے فوج نئے نسل کش منصوبوں کو بروئے کار لا سکے۔

یہ بات غور طلب ہے کہ اس طرح کے وار روم اسرائیل کی ہر یونیورسٹی میں بالعموم اور تل ابیب یونیورسٹی میں بالخصوص طے شدہ مقاصد اور اہداف کے لیے کام کر رہے ہیں۔ یہ روم اکتوبر 2023ء سے ہی قائم ہیں۔ یہ روم فوجیوں کی غزہ میں نہ صرف نقل و حرکت کو مانیٹر کر رہے ہیں بلکہ ان کے رویوں، رجحانات اور استعداد کار کا بھی مکمل جائزہ تیار کر رہے ہیں۔ اس کا باقاعدہ اظہار ویڈیو میں پیش کار کے طور پر نظر آنے والے کر رہے ہیں۔ یہ بھی یونیورسٹی کے طالب علم ہی ہیں۔

ویڈیو سے معلوم ہوتا ہے کہ روم چلانے والے طلبہ و طالبات کا تعلق یونیورسٹی کے انجینئرنگ کے شعبہ جات سے ہی ہے۔ یہ غزہ میں فوجیوں کی طرح باقاعدہ حملے کرنے والوں میں بھی شامل ہیں۔ انہیں جنگ کے

دوران جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان کے حل بھی تجویز کرتے ہیں۔

ویڈیو کو بغور دیکھا جائے تو یہ امر سامنے آتا ہے کہ یہ فوجی سارے عمل کو لائیو سٹریمنگ سے محفوظ کرتے ہیں اور ان کے فوٹوگرافر کا کام ماہر کتے کرتے ہیں۔ ان کتوں کو جاں بحق ہونے والے فلسطینیوں کے اجسام نوچتے بھی دکھایا گیا ہے۔ اس طرح کے ویڈیو کلپ انسٹاگرام، ایکس اور فیس بک پر بھی دکھائے جارہے ہیں۔ یہ ظاہر ان سوشل میڈیا پلیٹ فارم پر اس طرح کے مناظر دکھانے پر پابندی ہے۔

ویڈیو میں دکھایا گیا ہے کہ ڈاگ کیمرہ کس طرح کام کر رہے ہیں، وہ لائیو سٹریمنگ میں کیسے کام آرہے ہیں۔ غزہ جنگ سے پہلے اس نوعیت کے ڈاگ کیمرہ کہیں اور دیکھے نہیں گئے۔ اس جنگ میں صہیونی فوج کے Oketz کینائن یونٹ سے ڈاگ کیمرہ کا کام لیا جارہا ہے۔ ان کا خطرناک پہلو یہ ہے کہ ان کا ایک نہایت نوکیلا دانت فلسطینی شہری کو پکڑتا ہے، اس پر شدید حملہ کرتا ہے۔ چند لمحوں میں شکار ہونے والے فلسطینی کو بری طرح سے چیر پھاڑ دیتا ہے اور ساتھ ہی اس کی فلم تیار کرلیتا ہے۔ اس حملے سے شکار ہونے والے 24 سالہ محمد بہار کی ویڈیو جولائی 2024ء میں مڈل ایسٹ آئی نے ظاہر کی تھی۔ محمد بہار کو ایسے کتے کے کاٹے سے شدید نوعیت کے (Down Syndrone) سے مہلک ترین بیماری کا سامنا کرنا پڑا تھا اور ان کی موت واقع ہوگئی تھی۔ کتے کے کاٹے کے بعد صہیونی فوج محمد بہار کو سڑک پر ہی تڑپتا چھوڑ گئی تھی۔ یہ واقعہ محمد بہار کے گھر کے سامنے رونما ہوا تھا۔ ان کی میت تباہ حال کیفیت میں خاندان کو ایک ہفتے بعد مل سکی تھی۔

اسرائیلی فوج نے محمد بہار کی شہادت کی یہ کہہ کر تصدیق بھی کی تھی کہ اس کے فوجیوں نے ہی میت کو وہیں پڑا رہنے دیا تھا۔ محمد بہار کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے ایک ٹینک پر آر پی جی سے حملہ کیا تھا۔ جون 2024ء میں یورومیڈ ہیومن رائٹس مانیٹر نے تصدیق کی تھی کہ اسرائیلی فوج منظم طریقے سے سدھائے ہوئے کتوں کو فلسطینیوں پر حملے میں استعمال کر رہی ہے۔ تب 60 سالہ خاتون کی ویڈیو سامنے آئی تھی جسے ایک ایسے ہی کتے نے بھنبھوڑ ڈالا تھا۔ یہ واقعہ جبالیہ کیمپ میں پیش آیا تھا۔

اس واقعہ کے بارے میں عینی شاہد دولت اتنانی نے بتایا تھا کہ کتے کی پشت پر کیمرہ لگا ہوا تھا۔ مجھے اسرائیلی فوجیوں کی آوازوں نے خبردار کیا تھا۔ وہ میرے گھر میں داخل ہو رہے تھے۔ ایک کتا ان کے ساتھ تھا جس پر کیمرہ لگایا گیا تھا۔ اس کتے نے چند ہی لمحوں میں خاتون دولت پر حملہ کردیا تھا۔ کتے نے میری بازو والی ہڈی دانتوں سے جکڑ لی تھی۔ مجھے یوں لگا کہ وہ میرے کندھے کو میرے جسم سے جدا کر رہا ہے۔ وہ مجھے کھینچتا ہوا میرے گھر سے باہر سڑک پر لے گیا تھا۔ فوجی کھڑے تماشا دیکھتے اور قہقہ لگاتے رہے تھے۔ مجھے کسی طرح کی طبی امداد نہیں دی گئی۔

تل ابیب یونیورسٹی کے ریکارڈ کے مطابق اب تک یونیورسٹی کے 1700 طلبہ جنگ میں عملی طور پر حصہ لے چکے ہیں۔ اب بھی 400 طلبہ جنگ میں ریزرو فوجی بن کر حصہ لے رہے ہیں۔ فوج نے گزشتہ سال ایک پروگرام (EREK) شروع کیا تھا۔ اس کے تحت زیر تربیت آرمی آفیسرز کو یہ موقع دیا گیا تھا کہ وہ یونیورسٹی کے ہیومینیٹیز اور سوشل سائنسز مضامین میں پڑھ سکتے ہیں۔ ان کے ان مضامین میں پڑھنے سے شکایات آنا شروع ہوگئی تھیں کہ کیمپس کو فوجی بیرک میں تبدیل کیا جارہا ہے۔ اس پروگرام کو صدر شعبہ رائیل گالے سنامون کی اجازت حاصل تھی۔

یونیورسٹی کے ایک طالب علم کا کہنا ہے کہ اسے یہ بخوبی علم تھا کہ اس کے کلاس فیلوز وار روم میں کام کررہے ہیں۔ یہ طلبہ غزہ میں جاری جنگ میں فلسطینیوں کی نسل تباہ کرنے کے طریقوں اور ان میں استعمال ہونے والی ٹیکنالوجی تیار کرتے رہے ہیں۔ یونیورسٹی میں ان سرگرمیوں سے سارا ماحول فوجی بنتا گیا۔ اسرائیل کے تعلیمی امور میں اس طرح کی مداخلت اور پروگراموں نے بہت زیادہ بے چینی پیدا کردی ہے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل نے بھی ان سرگرمیوں پر حال ہی میں رپورٹ تیار کی ہے اور ان کو اسرائیل کی نسل کش پالیسیوں کا تسلسل قرار دے کر ان کے فوری خاتمے پر زور دیا ہے۔ تاہم ان کے خاتمے کا دور دور تک ذرہ بھر امکان نظر نہیں آرہا۔

جائزہ / رُبیٰ میسُون

طوفان الاقصیٰ کی ارواح رواں

یسریٰ مقادمہ اور احمد مقادمہ: ڈاکٹر ماں، ڈاکٹر بیٹا

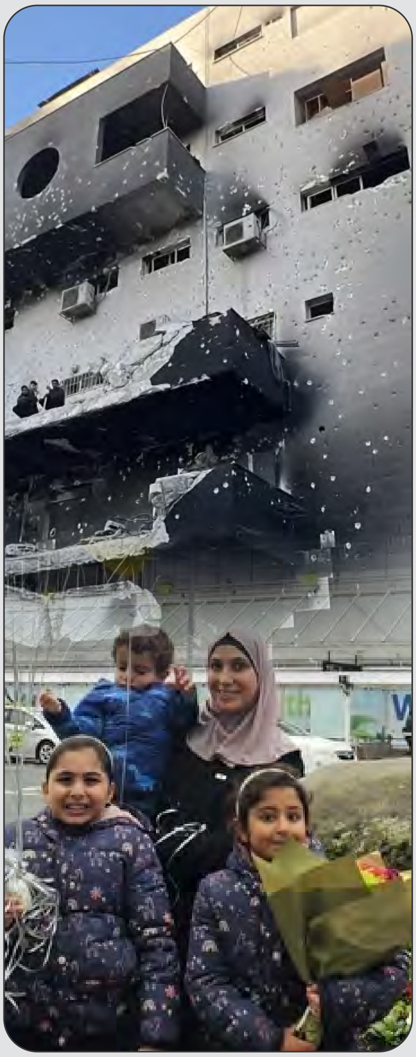

یسریٰ عبدالعزیز مقادمہ ''ام بکر'' اور ان کا بیٹا احمد سعید مقادمہ ''ابوعمر'' (اس جدوجہد کے ان ناقابل فراموش کرداروں میں شامل ہیں جنہوں نے شدید تباہی کے دوران، آخری سانس تک فلسطینی بھائیوں کی خدمت کی)

ڈاکٹر احمد اور والدہ یسریٰ کے خاندان ''مقادمہ'' کا تعلق خروج کے دوران بے آباد کیے گئے فلسطینی قصبے بیت دراس سے تھا۔ یہ قصبہ اپنی فیاضی، مزاحمت، جرأت و شجاعت اور اعلی کردار کے لیے مشہور تھا۔

ڈاکٹر احمد ایک پلاسٹک سرجن تھے جو الشفاء ہسپتال غزہ میں جھلسے ہوئے مریضوں کے علاج کے مرکز میں خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ انہوں نے رائل کالج آف سرجنز برطانیہ سے انسانی اختراع میں فیلوشپ حاصل کی تھی۔

جوش اور لگن سے کام کرتے ہوئے، وہ بیماروں اور زخمیوں کی خدمت کو جہاد سمجھتے تھے۔

وہ، اس سے قبل، غزہ کے ساتھ مقبوضہ سرحد پر عظیم الشان واپسی حق مارچ تحریک کے دوران بھی سرگرم عمل رہے۔

2021 کی جنگ کے دوران بھی وہ علاج معالجے کے لیے سرگرداں رہے۔ انہوں نے مریضوں کی خدمت کے لیے خود کو اتنا وقف کر دیا کہ بمشکل ہی آرام کر پاتے۔ ہمہ دم مسکراہٹ، خوش خلقی کے ساتھ وہ خوبصورت نفس تھے جو لوگوں کی دلجمعی کرتے رہتے۔

طوفان الاقصیٰ کے آغاز کے بعد سے، ڈاکٹر احمد طبی محاذ کے فرنٹ پر رہے، اور بیک وقت الشفاء ہسپتال، القدس اور الاہلی ہسپتالوں میں خدمات سرانجام دیتے رہے۔

جنگ شروع ہونے کے بعد انہوں نے اپنی اہلیہ اور چھوٹے بچے کو آپریشن کے علاقوں سے دور جنوبی غزہ بھیج دیا تھا اور چھ ماہ سے زیادہ عرصے تک انہیں نہ مل پائے۔

پرتشدد عسکری کاروائیاں، شمالی غزہ سے لاکھوں شہریوں کی نقل مکانی اور اپنے فلیٹ پر بمباری اور تباہی کے باوجود انہوں نے غزہ میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ اس دوران ان کے کرائے کے اپارٹمنٹ پر بھی بمباری کی گئی۔ اس آزمائش، محاصرے اور فاقہ کشی سے ان کا کافی وزن کم ہو گیا۔

اپنے فیس بک اکاؤنٹ پر 10 اکتوبر 2023 کی ایک پوسٹ میں وہ اس کا اظہار کرتے ہیں کہ

''ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے لیے حمد و ثناء ہے، انسانیت کے خلاف جرم میں، قابض قوت نے ہمارے ساتھ والی عمارت کو بم سے اڑانے کی دھمکی کے بعد اس رہائشی

عمارت پر بمباری کی جس میں میں رہتا ہوں۔"

ڈاکٹر احمد اپنے کام سے شدید لگاؤ رکھتے تھے، اور اپنے زیادہ تر کیسز کے بارے میں معلومات ساتھی ڈاکٹروں کے پاس مزید مہارت اور مشورہ کے لیے بھیجتے رہتے۔ ان کی پیشہ ورانہ زندگی کی ابتدائی مراحل میں بہت زیادہ احتیاط اور اشتیاق کی متقاضی تھی۔

الشفاء ہسپتال پر حملے کے بعد قابض فوج نے انصار کے علاقے پر حملہ کیا جہاں ڈاکٹر احمد اور ان کی والدہ ڈاکٹر یسریٰ رہائش پذیر تھیں۔

احمد اور ان کی والدہ دیر تک آگ کی زد میں، موت کے منہ سے بچ کر نکلتے رہے مگر پھر بالآخر وہ اس کا شکار ہو گئے۔

لیکن وہ ثابت قدم رہے اور خالق حقیقی سے اس وقت جا ملے جب وہ روزے، رباط، اور بے گھری کی حالت میں تھے اور بھوک سے لاغر تھے۔

تکلیف، قتل و غارت کے مناظر، توہین آمیز گرفتاریوں اور ذلت آمیز نقل مکانی کی شدت سے دوچار تھے۔

ڈاکٹر احمد اور ان کی والدہ دو ہفتوں سے لاپتہ تھے۔ قابض فوج کے الشفا ہسپتال پر حملے اور قتل عام کے بعد اہل خانہ سے ان کا رابطہ منقطع ہو گیا۔

بعد میں جب دشمن نے محصورین کو ہسپتال سے زبردستی نکلنے پر مجبور کیا تو ڈاکٹر احمد اور ان کی والدہ بھی نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ تاہم ظالم فوج نے انہیں ان کی منزل پر پہنچنے کا موقع نہ دیا۔ انہیں ایک ایک کر کے سنائپرز کی گولیوں کا نشانہ بنا کے قتل عام کیا گیا۔ ان کے جسم غزہ شہر کے کیریفور مال سے ملے۔

محاصرے کے دوران، سوگوار اہلیہ ڈاکٹر یسریٰ محمد نے اپنے شوہر احمد اور ان کے ساتھیوں کی حالت زار بیان کرتے ہوئے ایک دردناک التجا کی۔

انہوں نے بتایا کہ ان کے شوہر احمد الشفاء ہسپتال کے برن سنٹر میں ڈاکٹر، 38 دنوں سے ان سے اور اپنے بیٹے عمر سے دور رہ کے کام کر رہے ہیں۔ ان کا بیٹا جس کی عمر محض چند ماہ ہے، پیدا ہونے کے بعد جتنے روز باپ کی آغوش میں رہا، اس سے زیادہ روز تک والد سے دور رہا ہے۔

اپیل میں انہوں نے کہا کہ اسپتال پر کئی روز سے گھناؤنا محاصرہ جاری ہے۔ مریض، قبل از وقت پیدا ہونے والے بچے، اسپتال سے خارج ہونے والے افراد اور طبی عملہ سبھی محاصرے میں ہیں۔ وہ ہسپتال کے اندر ایک سے دوسری عمارت میں نہیں جا سکتے کیونکہ سنائپرز بلا امتیاز ہر متحرک شے کو نشانہ بناتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ وہاں پھنسے ہوئے لوگ خوراک سے محروم ہیں، ہسپتال کو چلانے کے لیے کوئی ایندھن نہیں ہے، اور ان کے پاس تمام طبی سامان ختم ہو چکا ہے۔

اس اپیل کا اختتام انہوں نے دردانگیز مایوسی کی کیفیت کے ساتھ یہ کہہ کر کیا کہ انہیں یہ امید نہیں ہے کہ اس سے عالمی ضمیر بیدار ہو گا، یا عرب برادری حرکت میں آئے گی، یا یہ کہ انسانی ہمدردی کے ادارے اور ریڈ کراس محصورین کے لیے محفوظ راستہ کھولنے میں پھرتی دکھائیں گے۔

بل کہ، ان کا مقصد ہے کہ لوگ اپنی دعاؤں میں ان لوگوں کے ساتھ رہیں کیونکہ خدا کے سوا کوئی ان پر رحم کرنے والا نہیں ہے۔ اس دوران جب قابض فوج نے انہیں ہسپتال میں یرغمال بنائے رکھا اور پھر انصار کے علاقے کی جانب بھیجا تو اہلیہ بار بار یہ اپیل کرتی رہیں کہ ان کا اپنے شوہر اور ان کی والدہ سے رابطہ منقطع ہو گیا ہے۔

انہوں نے بتایا کہ آخری وقت جب ان دونوں کا کسی سے رابطہ ہوا تو وہ 22 مارچ 2024 کو "کیئر فور مال" کے علاقے میں تھے۔

انہوں نے درخواست کی کہ جس کے پاس بھی ان کے بارے میں معلومات ہوں وہ ان سے رابطہ کرے۔ ڈاکٹر احمد اور ان کی والدہ کے ساتھی اس اپیل کو بار بار عربی اور انگریزی میں شائع کر رہے تھے۔ ڈاکٹر یسریٰ اقوام متحدہ کی ملازم تھیں۔ ان کا بیٹا ڈاکٹر احمد بھی خصوصی حیثیت کے مالک کئی عالمی سطح کے گروپوں سے منسلک تھے۔

ڈاکٹر یسریٰ مقادمہ، مشرق وسطی میں فلسطینی پناہ گزینوں کے لیے اقوام متحدہ کی ریلیف اینڈ ورکس ایجنسی (انروا) کے زیر انتظام سکولوں میں ریاضی کی درس و تدریس کے فرائض سرانجام دے رہی تھیں۔ اپنے بیٹے کی طرح وہ بھی ایک اسکول سے دوسرے اسکول منتقل ہوتی رہیں جو تعلیمی مراکز سے پناہ گاہوں اور پھر دشمن کا نشانہ بننے کے بعد قبرستانوں میں تبدیل ہوتے گئے۔ اپنے تجربے اور تعلقات کی وجہ سے وہ ان اسکولوں میں قائم پناہ گاہوں کے انتظامات کا کام بھی کر رہی تھیں۔ انہیں ان بے گھر لوگوں کے ہزاروں مصیبت زدہ خاندانوں کے لیے رہنما، منتظم، سرپرست، اور مربی بننا پڑا، جن میں زیادہ تر بچے اور وہ خواتین شامل تھے جنہیں شدید نفسیاتی اور مادی مدد کی ضرورت تھی۔ شمالی غزہ کے شدید محاصرے کے بعد انہوں نے اپنے زیادہ تر دن روزے کی حالت میں گزارے۔

بے گھر لوگوں کی خدمت کے لئے ڈاکٹر یسریٰ نے اپنا کام چھوڑنے اور ہجرت سے انکار کر دیا۔

وہ اس وقت تک کام کرتی رہیں جب تک کہ انہیں زبردستی پناہ گاہ سے نہیں ہٹایا گیا۔ اگر کوئی انہیں نقل مکانی کا مشورہ دیتا تو وہ انکار کر دیتیں اور کہتیں کہ اگر ان علاقوں میں ان کے علاوہ کوئی باقی نہ رہے تو بھی وہ اپنا گھر نہیں چھوڑیں گی۔

وہ اس کام کو جہاد سمجھتی تھیں اور اکثر دہراتی تھیں کہ "یہ جہاد ہے، اس میں یا تو فتح ہو گی یا پھر شہادت" وہ اس عمل کو رباط کے تصور پر جاری رکھتے ہوئے، رمضان میں روزے کی حالت میں شہادت کے درجے پہ فائز ہوئیں۔ جب ان کا جسد خاکی ملا تو وہ ہاتھ میں کتاب اللہ تھامے ہوئے تھیں۔

وہ یتیموں سے پیار کرتی تھی، پناہ گاہوں میں ان کا بہت خیال رکھتی تھی، اور خود کو ان کی ماں کی طرح سمجھتی تھیں۔ ان کی شفقت، توجہ اور خیال رکھنے کی وجہ سے وہ بھی ان کی قربت پسند کرتے تھے۔

اس کے فیس بک اکاؤنٹ پر ان کی حالیہ اشاعتیں درد، مایوسی اور بے چارگی کے احساس کے ساتھ ساتھ مزاحمت پر فخر کے سے بھرپور تھیں۔ جیسے کہ:

"اللہ ہمارے لئے کافی ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، ہر لمحے اور ہر سیکنڈ میں ہمارا یہی حال ہے، مگر عرب۔ اسلامی قوت کو صیہونی۔ امریکی تخریب کار ختم نہیں کر سکتے۔"

"کوئی انسانیت، کوئی اقدار نہیں۔۔۔ معمدانی ہسپتال کا قتل عام، 800 سے زیادہ (زیادہ تر بچے اور خواتین)۔"

"عام طور پر، اقوام متحدہ کے امدادی ادارے جنگ اور تنازعات کے مقامات پر پہنچتے ہیں، مگر غزہ میں ایسا نہیں ہوا، اہل غزہ خود ہجرت کر کے رفح گئے ہیں جو مصر کی حدود میں ہے!"

"اے اللہ، مرابطین کو ثابت قدم رکھ، ان کے لیے مددگار اور سہارا بن، ان کی صفوں کو متحد کر، اور ان کی مدد فرما۔"

"درحقیقت آپ وعدہ کرنے والوں سے زیادہ سچے اور ان سے زیادہ دیانتدار ہیں، تاہم اس کے باوجود ہم گہرائی میں تصادم کر رہے ہیں۔"

ڈاکٹر یسریٰ کو ایک خفیہ سنائپر کی جانب سے اس وقت گولی کا نشانہ بنایا گیا جب وہ اپنے بیٹے ڈاکٹر احمد اور دیگر کے ساتھ دوسرے علاقے میں جا رہی تھی، ان کے ساتھ موجود ہر شخص کو سنائپرز نے گولیوں سے چھلنی کر ڈالا۔ غزہ شہر میں "کیئر فور مال" کے قریب دو ہفتوں کی تلاش کے بعد ان کی لاشیں ملی تھیں۔

پسِ آئینہ/ اَیہاب منصور

صلۂ شہید کیا ہے؟۔۔تب وتابِ جاودانہ

غزہ کی پہچان، رفعت العریر

موجودہ زمانہ جنگ کے آرٹ کے اعتبار سے توپ وتفنگ دونوں کا زمانہ نہیں ہے۔ یہ چند مربع فٹ کے اندر قائم کمان اینڈ کنٹرول سنٹر سے بھی کہیں کم ایک کمپیوٹر کا زمانہ ہے۔ یہ کمپیوٹر قلم کو اب بھی شکست نہیں دے سکا۔ جب قلم لکھتا ہے تو ایک ذہن لکھواتا ہے۔ ذہن کے بھی اندر خون اُبلتا ہے، یہ خون دل سے پمپ ہوکر ذہن میں پہنچتا ہے۔ شہ رگ اسے اچھالتی ہے۔ جب بھی کوئی حملہ آور، کوئی نیتن یاہو حملہ کرتا ہے تو اس شہ رگ کو کاٹ ڈالنا چاہتا ہے۔ جب فرعون نے سنا تھا کہ وہ موسیٰؑ اس کے گھر میں، اسی کے محل سے نمودار ہوا تھا، اس کا لہو اس محل کے ایوان سے اچھلا تھا اور اس نے اس ساری حکمتِ فرعونی کی شکست کا اعلان کردیا تھا جس نے ان گنت بچے شہ رگ سے پکڑ کر ذبح کرادیے تھے کہ ان میں کوئی موسیٰ نہ ہو، لیکن وہ اتنے زیادہ بچوں کا قاتل تو بن گیا، شہ رگ موسیٰؑ کو ہاتھ تک نہ لگا سکا اور وہ اس کے دربانوں کے درمیان آ کھڑا ہوا۔ فرعون دھاڑ رہا تھا:

انا ربکم الاعلیٰ

موسیٰؑ تنہا تھا۔ اس نے اپنے رب کے حکم سے ایک صدا بلند کی:

اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ

اس نے سحر طاری کرنے کو سب ساحر جمع کر لیے۔ انہوں نے اپنے اپنے سانپ پھینکے، اژدھے آگے بڑھائے۔ موسیٰؑ کے رب نے کہا:

”موسیٰ! ڈرو نہیں، عصا پھینکو!“

موسیٰ کا عصا سب کو نگل گیا۔ سب ساحروں نے کہا: یہ جھوٹا نہیں، سچا نبیؑ ہے۔ آج بھی مصر دور نہیں ہے۔ ایک فرعون لاکھوں اژدھے بھیج رہا ہے، گول، بیضوی، لمبے اور موٹے۔ کوئی ڈیزی کٹر، کوئی بیلسٹک، کوئی سمارٹ بم، غرضیکہ سانپوں اور اژدھوں نے رنگ بدل لیے ہیں۔ لیکن ان کی پھنکار جدا ہے، شعلہ ہوا ہے، ان میں بارود بھرا ہے، یہ سب موجودہ زمانے کا آرٹ ہے۔ عمارتوں کو جب بھی آن لگا ہے، پتھروں کا زمانہ لوٹ آیا ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ زمانہ جدید ہوگیا ہے۔ موت بانٹتا ہے، سکون غارت کرتا ہے، بچوں کے نرخروں پر چڑھ دوڑتا ہے، ماؤں کے بدن کاٹتا ہے۔ یہ کیسا جدید زمانہ ہے، کیا خوب آرٹ ہے۔ پوسٹ ماڈرن فن ہے، تعمیر (Construct) سے تخریب (Deconstruct) کرتا ہے۔ لیکن ان کا واسطہ قلم سے پڑا ہے۔ پناہ گزینوں

کا بھی یہ زمانہ ہے۔ انھی پناہ گزینوں میں ایک رفعت العرعیر بھی ہے۔ وہ غزہ کا العرعیر ہے۔ اس نے آج کے فرعون جو بائیڈن، نیتن یاہو اور انتونی بلنکن کو للکارا ہے۔ اس کی یہ للکار ان تازہ خداؤں کے لیے ہے، یکم نومبر 2023ء کو میڈیا پر یہ للکار آئی ہے۔ اس کے قلم نے لکھا ہے: مجھے موت نے آلیا تو۔۔

اگر مجھے موت نے آلیا تو۔۔۔
تمہیں زندہ رہنا ہوگا
میرا قصہ سنانے کے لیے
میری میراث بانٹنے کے لیے
کپڑے کا ایک ٹکڑا خریدنے کے لیے
اور کچھ دھاگے بھی تم لانا
پھر تم ایک پتنگ بنانا
لمبی دم والی۔ ایک سفید پتنگ
تا کہ غزہ میں کہیں بھی۔ کوئی بچہ
اپنے شہید باپ کا انتظار کرتے
نیلے آسمان کی طرف دیکھے
اس باپ کا انتظار کرتے
جو شعلوں میں گر ا رخصت ہوا
بغیر کسی کو الوداع کہنے کی مہلت پائے
اپنے گوشت پوست کے بغیر
تا کہ وہ بچہ۔۔۔
اگر۔۔ یہ پتنگ دیکھے
تو ایک لمحے کو ضرور سوچے
کہ جیسے کوئی فرشتہ سفید عبا اوڑھے
اس کے باپ کو بانہوں میں لیے
آسماں سے اترنے کو ہے
اگر مجھے موت نے آلیا
تو اس پتنگ کو امید بنائے رکھنا
اک داستان بننے دینا

یہ العرعیر کے قلم نے لکھا، رفعت العرعیر نے قلم بند کیا۔ یہ موت کے بڑھتے شکنجوں سے زندگی چھین لینے، زندہ کو پائندہ کرنے کا پیغام تھا۔ فرعون کا خون سفید تھا اور العرعیر کا لہو سرخ۔ سفیدی سفا کی کا عنوان تھی اور سرخی شفق کی لالی تھی جو افق میں ڈھلتی اور صبح زندگی کا پیام بنتی ہے۔

یہ رفعت العرعیر کون ہے؟ آج کے عالم کفران میں کھڑا وہ موسیٰ ہے جو تازہ خداؤں کو للکار رہا ہے۔ جدید اصطلاح میں رفعت کو پہچاننا ہو تو اس کی جرأت سے سے شناخت کیا جائے۔ وہ کہانی کار تھے، داستان گو تھے، ادیب تھے، شاعر تھے، استاد تھے، مجاہد اور شہید تھے۔

العرعیر غزہ میں مجسم غزہ تھے۔ یونیورسٹی میں تھے تو استاد تھے، گھر میں تھے، تو غزہ کے نوجوانوں کی زبان تھے۔ ان کے آزاد جذبوں کے ترجمان تھے۔ وہ قلم کے مجاہد تھے، اسرائیل ان سے خوف کھاتا رہا۔ ان کے گھر پر، ان کے غزہ کے ایک سکول میں، جہاں وہ اہل خانہ کے ہمراہ پناہ نشین تھے، صہیونی آتے، دھمکیاں دیتے:

”تجھے نہیں چھوڑیں گے، تیرے بدن سے آخری قطرہ خون تک نچوڑ لیں گے“

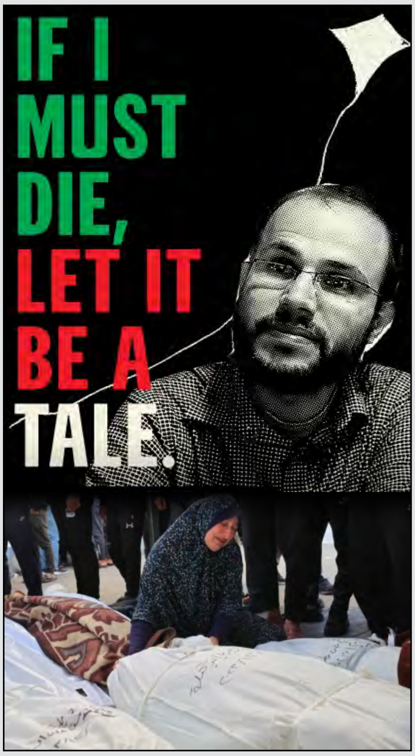

وہ کہتے:

”جو تم نچوڑنا چاہتے ہو، وہ کچھ بھی نہیں، اصل سرمایہ تو یہ قلم ہے۔ تم تو نازی جرمنی کے جیسے ہو، تم کیا کر سکتے ہو، قاتل ہو، قتل ہی کرو گے۔“

وہ شجاعیہ میں اپنے خاندان کے چھ افراد کے ہمراہ رہتے تھے۔ انھوں نے صہیونی فوجیوں سے ہر بار اور بار بار کہا کہ میرے اور میرے خاندان کے پاس کھونے کو کچھ بھی نہیں۔ میرے گھر دھاوا بولو گے تو میرے پاس آخری ہتھیار میرا قلم ہے۔ وہی قلم تمہارے کریہہ چہروں پر دے ماروں گا۔ یہی کچھ یحییٰ ابو ابراہیم السنوار نے آخری حربے کے طور پر کیا۔ جب ڈرون ان کی تصویر کشی کر رہا تھا، ایک بازو گن فائر سے چھلنی تھا، شہادت کی راہ کا راہی السنوار ایک چھڑی سے مسلح تھا۔ صہیونی چھپ چھپ کر حملہ کر رہے تھے، گولیوں کی بوچھاڑ میں السنوار نے۔ اسی بائیں ہاتھ کی چھڑی ڈرون پر دے ماری تھی۔ دنیا نے دیکھا کہ السنوار کا سر جھکا نہیں۔ اسی طرح رفعت العرعیر کا قلم رکا نہیں، انہوں نے آخری الفاظ یہی لکھے:

”اگر مجھے موت نے آلیا تو۔۔۔“

انہوں نے برملا کہا کہ آخری ہتھیا کے طور پر اپنا قلم ہی صہیونیوں کے سپاہیوں کے منہ پر دے ماروں گا۔ ان پر میزائیلوں سے حملہ کیا گیا اور وہ اپنے گھر کے چھ ارکان کے ہمراہ شہادت پر سرفراز ہو گئے۔ انہوں نے دشمن سے اپنے عمل سے کہا: تم کیا جانو

صلۂ شہید کیا ہے
تب وتابِ جاودانہ

رفعت غزہ کے نوجوانوں کی جرأتوں کے امین تھے۔ ان کی زندگی مختصر لیکن ہمت بے پایاں تھی۔ وہ 23 ستمبر 1979ء کو غزہ میں پیدا ہوئے۔ 6 دسمبر 2023ء کو شہادت سے ہم کنار ہوئے۔ ان کی انگریزی زبان میں نظموں کے مجموعے کا نام "If I must Die" تھا۔ (Gaza Writes Back) اور (Gaza Un Silenced) ان کی دو اور کتابیں ہیں۔ وہ فلسطینی تھے، شمالی غزہ کے شہید تھے۔ سٹرابیری چنتے العرعیر فطرت کے ساتھ تھے۔ ان کے دوست مصعب ابوطہٰ نے ان کی تصویریں لیں۔ جنہوں نے اپنے گھر میں ہی رہنے کا ارادہ کیا تو اردگرد تباہی ہی تباہی تھی۔ ان کے دوست احباب کہہ رہے تھے کہ وہاں سے نکلیں۔ پناہ گزین کیمپ میں آجائیں۔ وہ کہتے رہے کہ موت تو وہاں بھی آجائے گی۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج ان کی کل ہماری باری ہے

اہل خانہ اور بچوں کو دیکھتے تو یہی جانا کہ اب جانا تو پڑے گا۔ وقت کا فرعون ناچ رہا ہے، بچے ذبح کر رہا ہے۔ اسرائیلی فوج نے شجاعیہ میں لاؤڈ سپیکروں پر اعلان نشر کرنا شروع کر دیا کہ علاقہ خالی کر دیا جائے ورنہ بموں سے، میزائیلوں سے اسے اڑا دیا جائے گا۔

العرعیر جیسے اہل غزہ مخمصے میں تھے کہ مریں گے تو اپنے گھروں میں مریں گے، کہیں نہیں جائیں گے۔ جہاں بھی جائیں گے، موت تعاقب کرتی رہے گی۔ آخر کار انہوں نے سی این این کو بتایا، کہیں اور جانے سے کچھ بھی تبدیل

نہیں ہوگا، موت آنی ہے تو آ کر رہے گی۔ ہم کہیں اور جانے والے نہیں۔

یہ ایسی بحث تھی جس سے ہر فلسطینی دوچار تھا۔ سب کہہ رہے تھے کہ مریں گے تو ایک ساتھ مریں گے۔ ایک ہی کمرے میں رہیں گے۔ رفعت نے کہا کہ رہنا ہے تو الگ الگ کمرے میں رہیں، کوئی تو ہو جو بچ پائے۔

العرعیر مقامی یونیورسٹی میں تقابلی ادب کے پروفیسر تھے۔ وہ داستان گو تھے۔ غزہ کے نوجوانوں کے غلامی کے خلاف تجربات لکھتے تھے۔ وہ نوجوان فلسطینی قلم کاروں کی تربیت کی اکیڈمی تھے، انگریزی زبان میں لکھتے۔ انہوں نے سی این این سے کہا کہ ان کی کہانیاں پیش کریں، انہیں نشر کریں۔ جب وہ شہید ہوئے، تب بھی یہی کہانیاں ریکارڈ کرا رہے تھے۔

پھر 6 دسمبر کو شجائیہ میں ان پر میزائل پھینکے گئے۔ وہ شمالی غزہ میں تھے۔ جہد عبدالسلام نے سی این این کو ان کی شہادت کا واقعہ سنایا۔ ان کے ساتھ ان کے بھائی، ہمشیرہ اور چار بچے بھی شہید کردیے گئے۔ ان کی اہلیہ زندہ بچ گئیں۔ سات سالہ بچی بھی شہید ہوئی۔ انہوں نے ایک تنظیم بنائی اور اس کا نام رکھا۔

We are not numbers.

انہوں نے بار بار میڈیا سے کہا کہ ہم محض اعداد و شمار نہیں ہیں۔ ہمارا ایک پختہ ایمان ہے، ہم مسلم ہیں، ہمارا عقیدہ ہے کہ ہمارا مقصد انصاف پر مبنی ہے۔ ہماری جدوجہد آزادی کی ہے، آزادی کے لیے ہے، ہمیں اپنے انسانی حقوق چاہئیں۔ ہمیں ان سے محروم رکھا جارہا ہے۔

رفعت کی ایک شاگرد عالیہ قصاب نے الجزیرہ کو بتایا کہ ان کی رفعت سے ملاقات 2015ء میں غزہ سٹی میں ہوئی۔ وہ انگلش کلب میں مہمان مقرر کے طور پر شریک تھے۔ ان کی کتاب Gaza Writes Back کی تقریب رونمائی تھی۔ یہ غزہ کے نوجوان قلم کاروں کے تذکروں پر مشتمل کتاب تھی۔ اس میں 15 نوجوانوں کی کہانیاں شامل کی گئی تھیں۔ ان کی اپنی بھی دو کہانیاں اس میں شامل تھیں۔ یہ کہانیاں غزہ میں اسرائیلی حملے کے بارے میں تھیں۔ یہ حملہ 2008-2009ء میں کیا گیا تھا۔ عالیہ کا کہنا ہے کہ ہم سب بہت پرجوش قلم کار تھے۔ ہماری عمریں 13 سے 17 سال تھیں۔ عالیہ کا کہنا ہے کہ ہمیں یہ اندازہ ہی نہیں تھا کہ انگریزی زبان کے قلم کار ہونا کیا معانی رکھتا ہے۔

خود اپنے بارے میں رفعت العرعیر کا کہنا تھا کہ 2009ء کے انہی حملوں میں انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں زندہ رہا تو میں اپنی زندگی فلسطین کی کہانیاں لکھنے اور سنانے صرف کردوں گا۔ میں نوجوان لکھنے والوں کی آوازیں دنیا کو سناؤں گا تاکہ اپنی مزاحمت بیان کرتا رہوں۔

اسلامی یونیورسٹی غزہ کے شعبۂ انگریزی سے وابستہ رفعت العرعیر نے انگریزی ادب میں ماسٹرز لندن یونیورسٹی اور پی ایچ ڈی 2017ء میں پترا یونیورسٹی ملائیشیا سے کی۔ وہ انگریزی زبان کو ایسا میڈیم سمجھتے تھے جو غزہ کے طویل محاصرے اور ناکہ بندی سے آزادی کا ممکنہ ذریعہ تھا۔ اسی میڈیم کو استعمال کرتے ہوئے انہوں نے ٹیلی پورٹیشن

ڈیوائس سے اسرائیل کی باڑ اور غزہ کے علمی، فکری اور ثقافتی ناکہ بندی کی خلاف ورزی کی۔

رفعت نے اہل غزہ کی ترجمانی کو زندگی کا اسلوب ٹھہرایا۔ ان کی مشکلات اور دکھوں سے دنیا کو آگاہ کیا۔ وہ ٹی وی شوز اور ریڈیو پروگراموں سے غزہ اور مغربی کنارے میں جو کچھ ہورہا ہے اسے مغرب کے سامعین کے سامنے لاتے جس سے اسرائیل کے خلاف عالمی رائے تبدیل ہونا شروع ہوگئی تھی۔ اسرائیل اسی وجہ سے ان سے خوف بھی کھاتا تھا اور خار بھی اور اسی لیے ان کی صدا خاموش کرانا چاہتا تھا۔

غزہ کیا ہے؟ رفعت نے دنیا میں اس کا الگ تعارف پیش کیا۔ انہوں نے دنیا کو بتایا کہ غزہ دنیا کے سات گنجان ترین محلوں میں سے ہے۔ 365 کلومیٹر پر مشتمل اس کے جنوب میں مصر، مشرق اور شمال میں اسرائیل اور مغرب میں بحیرۂ روم واقع ہیں۔ اس کی تاریخ 4000 سال پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ اہل کنعان کی ایک بستی تھی۔ انہوں نے ہی اس کا نام غزہ رکھا جس کے معانی ”طاقت و ہمت“ کے ہیں۔

رفعت العرعیر کی زندگی ایک صاحب علم و فکر کی زندگی بھی ہے اور عزم و ہمت کا عنوان بھی ہے۔ وہ اقبال کے اس مصرع کی مصداق زندہ رہے۔

میں کھٹکتا ہوں دل یزداں میں کانٹے کی طرح

وہ غزہ میں اسرائیل کی نگاہوں میں کھٹکتے رہے۔ آخر کار شہید کردیے گئے۔ جس طرح فرعون دریا برد ہوا تھا، رفعت کی قلم کی روانی کے سامنے اسرائیل بھی ڈوبے گا۔ ان شاء اللہ

رفعت العرعیر کی کتاب (If I Must Die) پر تین تبصرے۔

1۔ محمد ساعد، 10 دسمبر 2024، امریکہ

حیرت انگیز رفعت العرعیر کی محیر العقول کتاب، ایسا شاعر جسے اسرائیل نے غلط طور پر بدقسمتی سے شہید کردیا۔ مجھے امید ہے کہ رفعت آسمانوں سے ہماری طرف دیکھ رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ میرے الفاظ جلد ہی حقیقت بنیں گے۔

2۔ آمی گاڈی پال، 14 دسمبر 2024ء، امریکہ

فلسطینی آوازیں بلند کرنا یقیناً ہم سب کی ذمہ داری ہے لیکن اہل مغرب کی سب سے زیادہ ہے۔ اس کتاب کا ہر لفظ فلسطین کے لیے ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی کیا کہتا ہے یا محسوس کرتا ہے۔ اگر آپ امریکہ میں ہیں تو یہ آپ کی اخلاقی ذمہ داری ہے تو بساط بھر ڈالر فلسطین کے لیے وقف کریں، اس کتاب کو ضرور حاصل کریں، صرف اس لیے نہیں کہ مصنف فلسطینی ہے، اس لیے نہیں کہ وہاں کے لوگوں کو سخت ضرورت ہے بل کہ اس لیے کہ اس کتاب کو لازمی پڑھنا چاہیے۔

3۔ زانA، 11 دسمبر 2024ء، امریکہ

میں نے تقریباً ساڑھے تین ہفتے پہلے اس کتاب کو مکمل کیا ہے۔ میرے پاس اب تک الفاظ نہیں ہیں کہ میں اس کتاب کو بیان کرسکوں، اس کا حق ادا کرسکوں۔

تجزیہ: ابوالعین

غزہ اور مغربی کنارے کے

لاکھوں فلسطینیوں کے قتل کا دوسالہ صہیونی منصوبہ

» غزہ کی نصف آبادی قتل یا بے دخل کردی جائے گی
» مغربی کنارے کی 15 لاکھ آبادی کے ساتھ یہی سلوک ہوگا
» اسے رضا کارانہ ہجرت کا منصوبہ کہا جارہا ہے
» نیتن یاہو اور سموٹر یک منصوبے سے باہم متفق نہیں
» عالم اسلام کسی نوعیت کی مداخلت نہیں کر سکے گا

''رضا کارانہ ہجرت'' اس صہیونی منصوبے کا نام سموٹریک نے یشا کونسل میں تجویز کیا ہے جس کے تحت یہ اعلان کیا گیا ہے کہ آئندہ دو برسوں میں غزہ اور مغربی کنارے کو اسرائیل کا حصہ بنا لیا جائے گا۔ پہلے مرحلے میں غزہ کی 23 لاکھ کی آبادی کو 11 لاکھ تک کم کردیا جائے گا۔ اس کمی کے دو طریقے ہوں گے۔ قتل اور بے دخل۔

قتل سے مراد یہ ہے کہ 50 ہزار اہل غزہ کی سہادت پر وہ شور نہیں ہوا جس کی توقع اسرائیل کو تھی۔ عالم عرب خاموش رہا اور عالم اسلام چند بے ضرر مظاہروں سے آگے نہ جاسکا۔ اب یہ سوچا جارہا ہے کہ غزہ میں 11 لاکھ سے زیادہ فلسطینی مسلسل بمباری اور میزائل حملوں سے ہلاک کردیے جائیں، جو بچ رہیں، انہیں جبری بے دخل کردیا جائے۔ اس طرح یہ بے دخلی ''رضا کارانہ ہجرت'' سے کی جائے۔

دوسرے مرحلے میں مغربی کنارے کی آبادی بھی نصف کردی جائے۔ نصف کو مار دیا جائے یا بے دخل کردیا جائے۔ یہاں بھی حالات سے تنگ، ہر طرف تباہی اور قتل و غارت گری سے آبادی کو مجبور کردیا جائے کہ وہ یہاں موت قبول کرلے یا ہجرت کر جائے۔

یہ جبری ہجرت ہوگی جسے رضا کارانہ ہجرت کا نام دیا جائے گا۔ یہاں سے بے دخل ہونے یا کیے جانے والے کبھی واپس نہیں آسکیں گے۔ بوڑھا، مرد و زن اپنی آزاد مرضی سے فلسطین چھوڑ رہا ہے۔ اب دیکھنا یہ باقی رہ گیا ہے کہ دنیا تماشا دیکھے گی اور عالم اسلام خواب غفلت میں ہی مبتلا رہے گا یا ردعمل بھی ابھرے گا۔

اپنا گھر چھوڑنا ہر کسی کو دنیا چھوڑنے کے مترادف لگتا ہے۔ کئی بار یوں ہوتا ہے کہ کوئی خوف، دھونس، دھمکی یا قوت کسی فرد، خاندان، گروہ یا آبادی کو مجبور کرتے ہیں کہ بظاہر امن کے لیے اپنا گھر بار چھوڑ جائیں۔ ایسے میں سارا سامان بھی گھر کے ساتھ ہی چھوڑنا پڑتا ہے، کبھی ضرورت کے چند کپڑے، بستر، برتن وغیرہ ساتھ لے جانے کی مہلت ملتی ہے یا اتنی بھی مہلت نہیں ملتی اور اچانک افتاد آن پڑتی ہے، گھر ملبے کا ڈھیر یا بارود کی بو کا ٹھکانہ بن جاتا ہے۔ اس پر بار بار بم گرتے ہیں، میزائل برستے ہیں۔ مکین دھائی دیتے رہ جاتے ہیں لیکن شنوائی نہیں ہوتی۔ اپنے پرائے دور کھڑے یا سینکڑوں ہزاروں میل سے محض کفِ افسوس ملتے رہ جاتے ہیں۔

اب اس طرح کی ''ہجرت'' کو بھی کئی نام اور عنوان دیے جانے لگے ہیں۔ غزہ کے رہنے والوں کو ان سب کا تجربہ کرنا پڑ رہا ہے۔ یوں کہیے کہ یہ تجربے انہیں کرنے پڑ رہے ہیں، بموں، ٹینک کے بھاری بھرکم گولوں اور جنگی جہازوں سے برستے میزائل انہیں ایسے تجربات کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ ان میں سب سے تلخ تجربہ یہ ہے کہ گھر بار لٹ

جانے، عزیزوں کے تہہ خاک سو جانے کے بعد ٹوٹے پھوٹے خیموں میں جابسیرا کرنے والوں پر بم برسنے لگتے ہیں، میزائل گرنے لگتے ہیں۔ اب تو ذرا سی آہٹ انہیں پتہ دے دیتی ہے کہ بم یا میزائل گرنے کو ہے، کدھر گرے گا اور کیا کچھ لے جائے گا۔ اشیائے ضروریہ کے لیے، آٹا لینے کے لیے قطار بنائے مردوزن اچانک برستی گولیوں سے بچنے کے لیے پناہ ڈھونڈنے نکلتے ہیں، بھاگتے ہیں تو کسی جہاز سے میزائل یا ہیلی کاپٹر سے ہونے والی فائرنگ ان سے ان کی ہی زندگیاں اُچک لیتی ہے۔

کہا جاتا ہے یا کہا جارہا ہے کہ ہجرت کئی طرح کی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر:

داخلی ہجرت: ایک ہی صوبے، ریاست، ملک یا براعظم کے اندر ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانے پر مجبور ہو جانا۔ پاکستان میں سوات اور مالاکنڈ سے ہزاروں سے بھی زیادہ مردوزن اور بچے اور جوانوں کو مشرف دور میں دہشت گردی کے خلاف جنگ کی وجہ سے اپنے شہر اور گاؤں سے نکلنا پڑا۔

خارجی ہجرت: لاکھوں افغانوں کو سوویت یونین کے افغانستان پر حملے کے پیش نظر پاکستان آنا پڑا۔ یہ ایک ملک سے دوسرے ملک گویا براعظم میں ہجرت تھی۔

امیگریشن: افراد کا بھاری تعداد میں ویزے لے کر ایک ملک سے دوسرے ملک رہائش، روزگار اور سلامتی کے لیے چلے جانا۔ موجودہ دور میں لاکھوں پاکستانی، مزدور بھی اور باصلاحیت تعلیم یافتہ افراد بھی بے چینی، بدامنی، بے روزگاری اور سیاسی و معاشی عدم استحکام کی وجہ سے بیرون ملک چلے گئے ہیں اور جارہے ہیں۔

قانونی ہجرت: یہ بھی ایک طرح کی امیگریشن ہے۔ لوگ دوسرے مقامات یا ملکوں کو عزم سفر باندھ رہے ہیں۔ اس میں غیر قانونی ہجرت یا انسانی سمگلنگ بھی شامل ہے۔

واپس ہجرت: ایک ملک سے ہجرت کے بعد دانہ پانی نئی جگہ سے ختم پانے کے بعد واپس اپنے ملک آجانا۔

ایک ہجرت بہت عام سمجھی جاتی ہے اور وہ ہے رضا کارانہ ہجرت یعنی اپنی آزاد مرضی سے ہجرت۔ ان دنوں صہیونی اسرائیل کے وزراء اور حکام یہ اصطلاح استعمال کر رہے ہیں۔ یہ اصطلاح غزہ کی آبادی کے لیے وہ استعمال کر رہے ہیں۔ وہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ یہ آبادی غزہ سے اپنی مرضی سے کہیں اور ہجرت کر جائے گی، اسے وہ ان کی رضا کارانہ ہجرت کہہ رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ایسی ہجرت کرنے والے واپسی کا حق کھو دیں گے۔ گویا جب وہ غزہ سے نکلنا چاہیں تو ان سے ایسی دستاویز پر دستخط لیے جائیں گے جس کے مطابق وہ اپنی آزاد مرضی سے جارہے ہیں اور کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ یہ آزاد مرضی یا رضا کارانہ ہجرت کن حالات میں ہوگی یا کرادی جائے گی۔ اس کی چند صورتیں اپنی ہولناکی کے ساتھ یہ ہوسکتی ہیں۔ یاد رہے کہ ان مہاجرین کو فی الحال قبول کرنے کے لیے مصر، شام، سعودی عرب، قطر، اومان، امارات، اردن، بحرین یا کویت کوئی بھی تیار نہیں ہے۔ اس رضا کارانہ ہجرت کا نقطۂ آغاز رفاہ کے راستے مصر اور اس کے بعد کہیں اور ہوگا۔ یہ ہجرت کس طرح سے رضا کارانہ کہی یا منوائی جارہی ہے، وہ یہ ہیں:۔

۔۔ غزہ پر اٹھارہ سال کی ناکہ بندی کے زخم خوردگان کو پندرہ سے زیادہ مہینوں کی شدید بمباری کا سامنا ہے۔ مکان ملبے کا ڈھیر بنادیے گئے ہیں۔ امریکہ، برطانیہ، کینیڈا، فرانس، جرمنی، اٹلی، ناروے نے اسرائیل سے غزہ پر اندھا دھند بم، توپ اور ٹینک کے گولے، جہازوں سے میزائل برسائے ہیں۔ ان میں امریکہ کے 25 ہزار پاؤنڈ وزنی ڈیزی کٹر، بنکر بسٹر اور دیگر بم اور میزائل بھی برسائے گئے اور جارہے ہیں۔ کسی گھر، عمارت، سکول، ہسپتال، سرکاری مراکز، مساجد غرض کہ کسی کا وجود ملبے کا ڈھیر بنے بناء باقی نہیں رہا۔ اب مکین جائیں تو جائیں کہاں؟

۔۔ کسی تعلیمی ادارے، شہری دفاع کے مرکز، عوامی سہولت کی جگہ، سیوریج کے انتظامی دفاتر سمیت کہیں جائے پناہ باقی نہیں رہی۔ پناہ گاہیں پہلے نشانہ بنتی ہیں اور گھر بعد میں، اب ہجرت کا نہ سوچیں تو کیا سوچیں؟

۔۔ صحت کے مراکز، سہولت گھر، بنیادی صحت کے یونٹ سب کے سب ایک ایک کر کے تباہ کردیے گئے۔ انسانی حقوق کے علمبردار کہتے ہیں کہ دہشت گردوں کے ٹھکانے تباہ کر رہے ہیں۔ ان کے کمان اینڈ کنٹرول تباہ کر رہے ہیں، کہیں دوائی نہیں ہے۔ بے شمار آپریشن اندھیروں میں اور بے ہوش کرنے والے انجکشن اور دوا کے بغیر ہوئے اور ہورہے ہیں، کہاں علاج ہو اور کیسے؟

۔۔ پانی نہیں ہے، غذا کی قلت ہے، ادویات نہیں ہیں، جراثیم کش ادویات نہیں ہیں، اگر ہے تو پولیو ہے، سرطان ہے، نمونیہ اور ہیضہ ہے۔ یہ مہذب دنیا کے دیے تحفے ہیں۔ ان تحفوں سے دل بہلائیں یا بچوں کو کھیلنے کے لیے دیں؟

۔۔ اور آخری بات، مارنے والے نیتن یاہو اور بلنکن سب پہلے دن سے کہہ رہے ہیں کہ وہ انسانوں کو نہیں مار رہے، وہ انسانی حیوانوں کو مار رہے ہیں۔ پھر کیسے انسانی حقوق اور کن انسانوں کے حقوق؟

اب ایک اور منظر بھی دیکھ لیں۔ یورپ اور امریکہ میں فلسطینیوں کے لیے بے شمار مظاہرے ہوئے۔ انھی کی یونیورسٹیاں رضا کارانہ ہجرت کی وضاحت کر رہی ہیں۔ گویا چھری بھی ان کی، چلانے والے بھی وہی اور مارے کے باوجود مسیحا اور ان داتا بھی ناخدا بھی وہی ٹھہرے۔

مصنوعی ذہانت (Artficial Intelligence) کو موجودہ دور کے علم کا یا اس کے مادر علمی کا نام دیا جارہا ہے۔ اسے اے آئی بھی کہا جاتا ہے۔ اے آئی نے یہ سمجھایا ہے کہ رضا کارانہ ہجرت کیا ہے؟

اوپر ہجرت کے چار مناظر مختصر بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں ایک مفہوم یا آپشن یا راستہ یہ ہے کہ اپنی مرضی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کو رضا کارانہ ہجرت کہا جاتا ہے۔ اس میں اہم بات یہ ہے کہ کوئی اپنی آزاد رائے استعمال کرے اور کہیں اور چلا جائے۔ کہیں اچھی ملازمت مل گئی ہو یا روزگار کے مواقع بہتر ہوں وغیرہ۔ گویا کوئی لاہور میں ہے، اسے ملٹی نیشنل کمپنی کراچی منتقل ہونے کا کہے اور وہ چلا جائے۔ کسی کا دفتر فیصل آباد میں ہو، اسے اسلام آباد جیسی مہنگی جگہ بھی منافع زیادہ نظر آئے اور وہ دفتر وہاں لے جائے۔

اس صورت کو کہتے ہیں کہ جسمانی اور طبعی طور پر ہجرت کرلی جائے۔ یاد رہے کہ وہ فیصل آباد کا دفتر بھی رکھ سکتا ہے اور اسلام آباد کا نیا دفتر بھی نہیں چھوڑے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی قدرتی آفت آن پڑی ہے۔ ماحول میں بہتری نہیں رہی، موسمی حالات موافق نہیں رہے، امن عامہ کے مسائل بڑھ گئے ہیں، کنٹینروں سے راستے بند کردیے جاتے ہیں، ٹریفک کے اژدھام کی وجہ سے وقت بہت ضائع ہوجاتا ہے وغیرہ۔

تیسری صورت یہ ہے کہ بس جانا ہی ٹھہرا۔ جان و مال کا خطرہ لاحق ہوگیا ہے، عزت و ناموس کے دشمن پیدا ہوگئے ہیں، سیاسی ماحول خراب تر ہوتا جارہا ہے، وغیرہ۔

یہ وہ امکانی صورتیں ہیں جن میں رضا کارانہ ہجرت کی جاتی یا جاسکتی ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ رضا کارانہ ہجرت پر صہیونی وزراء اہل غزہ سے عمل کرانا چاہتے ہیں۔ اس ''رضا کارانہ ہجرت'' کی بات کیوں کی جارہی ہے۔ اس کا بھی ایک پس منظر ہے۔ ہر فلسطینی کو نکبہ اول اور موجودہ

نکبہ درنکبہ کے باوجود دو حقوق اب تک حاصل ہیں۔ان حقوق کے دینے سے صہیونی اسرائیل انکار ضرور کررہا ہے لیکن اس بات سے وہ انکار نہیں کرسکتا کہ یہ حقوق انہیں حاصل ہیں نہیں ہیں۔وہ یہ ہیں:

۔۔حق استصواب رائے

۔۔اپنے آبائی مقامات پر واپسی کا حق

انہی دو حقوق سے اب تک اسرائیل لڑ رہا ہے۔اس کی ساری افواج، امریکہ و یورپی اتحادیوں کے لیے یہی دو حقوق گلے کا پھندہ ہیں۔اقوام متحدہ کی قراردادیں ان حقوق کی ادائی کے لیے منظور کی گئی ہیں۔ان میں سے کسی ایک حق پر عمل درآمد اسرائیل کے جواز کو ہی ختم کردے گا۔

ایک تازہ بیان اسرائیل کے وزراء کا سامنے آیا ہے۔یہ بیان بنیامین نیتن یاہو، وزیر اور جنگی مجرم کی طرف سے اور وزیر خزانہ یذالیل سموٹریک نے دیا ہے۔اس بیان کو انہوں نے یشا کونسل (Yesha Council) میں دیا ہے۔اس بیان پر بات سے پہلے ضروری ہے کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ یشا کونسل کیا ہے؟

Yesha ایک عبرانی اصطلاح ہے۔ اسے مغربی کنارے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔یہودی اور زیادہ تر صہیونی مغربی کنارے کے یہودی ناموں Judea اور Samaria کے لیے اسے استعمال کرتے ہیں۔ امریکی کانگریس میں بھی ایک بل پیش کیا گیا ہے کہ مغربی کنارے کو آئندہ سے جودیہ (Judea) اور سماریہ (Samaria) کے ناموں سے ہی لکھا اور پکارا جائے۔ یشا کونسل میں ان دو ناموں کے علاوہ غزہ بھی شامل کیا جاتا ہے۔ اس طرح مقبوضہ بیت المقدس کے علاوہ مغربی کنارے اور غزہ کو اس نام سے صہیونی پکارتے ہیں۔نیتن یاہو اور سموٹریک نے اسی یشا کونسل میں ان علاقوں کے بارے میں نیا منصوبہ رکھا ہے اور اسے رضا کارانہ ہجرت کا منصوبہ قرار دیا ہے۔

یشا کونسل 1970 کے عشرے میں قائم کی گئی تھی۔ گویا 1967ء میں عرب علاقوں پر قابض ہونے کے فوری بعد ہی مغربی کنارے اور غزہ کو اسرائیل میں ضم کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ غزہ پر موجودہ جارحیت حماس کے آپریشن الاقصیٰ طوفان سے عشروں قبل سے طے شدہ جارحیت تھی۔ اسرائیل نے 2005ء میں غزہ سے Disengagement کی پالیسی شروع کردی تھی۔

اس کونسل کا مقصد یہ ہے کہ اسرائیل میں لائے جانے والے یہودی آبادکاروں کو ہر وہ سہولت فراہم کی جائے جس سے ہر فلسطینی کو اب تک انکار کیا جارہا ہے۔ان میں ان کو انسانی بنیادوں پر ہر امداد، میونسپل کی جملہ سہولیات، سیاسی عمل میں شرکت کے مواقع اور عوام میں بات کرنے کے ہر طرح کے حقوق شامل ہیں۔اس کا مطلب ہے کہ یہاں کے اصل رہنے والے فلسطینیوں کو ان تمام حقوق سے محروم کردیا جائے اور باہر سے لائے گئے اجنبی یہودیوں کو وہ تمام کچھ ان کا حق قرار دے کر بسایا جائے۔

دوسرا بڑا مقصد یہ ہے کہ یہودی آبادکاروں کی ناجائز بستیوں کو ہر طرح سے اقوام متحدہ کی تمام قراردادوں کے باوجود توسیع دی جائے۔ اس سلسلے میں انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کو خصوصی طور پر یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ wikipedia کے سارے مندرجات اور مواد اس وقت تک سامنے نہیں آسکتا جب تک وہ ایسے ایڈیٹر پینل سے نہ گزرے جس کا ہر ایڈیٹر صہیونی ہے۔ یشا کونسل میں ہم سموٹریک کے بیان پر نگاہ ڈالتے ہیں۔وہ کہتا ہے:

''غزہ کی پٹی پر ایک مرتبہ کامیابی سے ''رضا کارانہ ہجرت'' کا منصوبہ کامیاب ہوگیا، پھر ہم اسے مغربی کنارے میں بھی کریں گے۔سموٹریک نے کہا کہ غزہ پر قبضہ کوئی گندہ لفظ ہرگز نہیں ہے۔ یہ بیان ٹائمز آف اسرائیل نے 26 نومبر 2024ء کو نقل کیا ہے۔سموٹریک نے واضح الفاظ میں کہا کہ ہمیں غزہ پر قبضہ کرلینا چاہیے۔ ہم دو سال میں غزہ کی آبادی کے 22 لاکھ میں سے 11 لاکھ فلسطینیوں کو مجبور کردیں گے کہ وہ ہر صورت میں غزہ خالی کردیں۔''

یشا کونسل کے اجلاس کے بعد سموٹریک نے ایک پریس کانفرنس کی۔ یشا کونسل میں اسرائیل کے تمام میونسپل میئر شریک ہوئے۔سموٹریک نے کہا کہ یہ ممکن ہے کہ ایسی صورت حال پیدا کردی جائے کہ غزہ کی نصف آبادی کو رہنے دیا جائے یا موجودہ آبادی کو اس کے نصف تک محدود کردیا جائے۔

یہ بہت ہی خطرناک بیان ہے۔اس کا فوری مطلب تو یہ ہے کہ 11 لاکھ فلسطینی ہلاک کردیے جائیں گے۔ یہ کام دو سال کی مدت میں کیا جائے گا۔اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان 11 لاکھ میں سے جتنی تعداد ماری جاسکے، ماردی جائے اور باقی رضا کارانہ ہجرت کرجائے۔سموٹریک نے کہا کہ ایسا کرتے ہوئے ہمیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔سموٹریک نے کہا کہ:

''یہی ہمارے لیے راستہ ہے۔ہم غزہ پر قبضہ کرلیں۔''

اس موقع پر اس کے ساتھ وزیر اتمار غفیر نے کہا کہ ہمیں زبردستی ان سب کو بے گھر اور بے دخل کرنا ہوگا۔ یاد رہے کہ ایسا کرنا بھی جنگی جرم ہے لیکن اسرائیل یا امریکہ کو اس کی ذرہ بھر پرواہ نہیں ہے۔

سموٹریک نے بار بار یہ بات دھرائی کہ غزہ پر قبضہ کرنا کوئی برائی نہیں ہے۔ اس کام پر ایک ارب 37 کروڑ ڈالر خرچ آئیں گے۔ میں اس چیز کو کھلی بانہوں سے قبول کرتا ہوں۔ اگر اسرائیل کی سلامتی کی یہی قیمت ہے جو دینی پڑے گی تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

اس موقع پر سموٹریک نے دو باتیں اور کیں۔پہلی بات یہ تھی کہ ان کے بعض جرنیلوں نے اس منصوبے پر بعض تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ خزانہ کے حکام کا خیال ہے کہ اس سے معیشت پر بہت سخت دباؤ پڑے گا۔

سموٹریک نے اس سے الگ لائن لیتے ہوتے کہا کہ حماس کو شکست دینے کے لیے کچھ بھی کیا جاسکتا ہے۔حماس کو اس کی ہر اس صلاحیت سے محروم کرنا ہوگا جس سے وہ غزہ پر کنٹرول برقرار رکھ سکے۔ اسرائیل ہی یہ کام کرسکتا ہے۔ اس کے لیے اسرائیل کی فوج کو تیار رہنا ہوگا کہ وہ غزہ کے عوام کو سنبھالے۔

سموٹریک نے کہا کہ ہم ایک بار غزہ میں ''ہجرت کی حوصلہ افزائی'' کرنے میں کامیاب ہوگئے پھر ہم مغربی کنارے میں بھی یہ عمل دہراسکیں گے۔ وہاں بھی 30 لاکھ فلسطینی آباد ہیں۔ ان میں سے بھی 15 لاکھ کا ''بندوبست'' غزہ جیسا کرنا ہوگا۔اس کا کہنا تھا کہ مذہبی صہیونیت کے سربراہ پہلے ہی اس منصوبے کے حق میں بات کرچکے ہیں۔

کانفرنس سے سموٹریک نے یہ بھی کہا کہ غزہ میں ایسا نہ کیا گیا تو اس پر ایران قبضہ کرلے گا۔ اس نے یہ بات بھی زور دے کر کہی کہ غزہ میں ہمیں پھر سے یہودی آبادکاروں کی بستیاں بنانی ہوں گی۔

جب نیتن یاہو کی باری آئی تو اس نے کہا کہ میرے علم میں ایسا کوئی منصوبہ نہیں ہے کہ اسرائیل غزہ کو نئے سرے اور نئی طرز سے آباد کرنا چاہتا ہے۔ اس کی لیکڈ پارٹی اس منصوبے کی منظوری دے چکی ہے۔نیتن یاہو نے کہا کہ یہ خیال درست نہیں کہ اسرائیل لمبے عرصے تک غزہ پر قبضہ رکھنا چاہتا ہے۔

ہیروشیما بم جیسے چھ ایٹمی بموں کے حجم کے مساوی
88 ہزار ٹن بارودی مواد غزہ کی پٹی پر
450 دنوں تک برسایا جا چکا ہے

1800 طفلاً
مفقوداً في غزة
طفل يُقتل
كل
19 ہزار بچے غزہ کی پٹی میں اپنے والدین یا
ان میں سے کسی ایک کے بغیر رہتے ہیں۔
19 ہزار
غزہ میں
1800
بچے لاپتہ ہیں
ہر 10 منٹ
میں ایک بچہ
مارا جاتا ہے

غزہ
قبا اوڑھی ہے خونِ غزہ سے
WATER
FOOD
MEDICINE
غزہ کی دہلیز پر سانتا کلاز بھی۔۔۔
Paddura

غزہ کے بچے
نئی نسل تہِ خاک نمو کرے گی؟
غزہ
MAHMOUD ABBAS